یَاسَارِیَ الْجَبَلْ!

کیا دجال کی آمد آمد ھے

اسرار عالم

ادارۂ معارف اسلامی (کراچی)

نام کتاب : یا ساری الجبل۔ کیا دجال کی آمد آمد ہے؟

مصنف : اسرار عالم

طبع اوّل : یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء

طبع دوم : یکم جون ۲۰۰۱ء

تعداد اشاعت (دوم) : ایک ہزار

ناشر : ادارۂ معارف اسلامی کراچی

ڈی۔۳۵، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا

نزد طاہر ولا چورنگی، کراچی۔ ۷۵۹۵۰

فون: ۶۳۴۹۸۴۰، ۶۷۹۲۰۱

قیمت :

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً!

نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی امت بنی نوع انسان میں وہ آخری امت ہے جو منصب شہادت پر فائز کی گئی ہے۔ چنانچہ پوری انسانیت کی کامیابی کا انحصار اب اسی گروہ پر ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی تک آتے آتے واضح طور پر محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ امت تاریخ انسانی کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی خبر دیتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا: عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں گی جیسے بھوکے (جانور) کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیتے ہیں۔ (ابو داؤد و بیہقی)

اس اندوہناک صورت حال سے زیادہ کرب کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ ــــ جو دنیا کا وہ واحد گروہ ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کا کافی علم (ماکان و ماھو کائن) دیا گیا ــــ آج حیران اور ناواقف راہ بھٹک رہی ہے اور دنیا کی تاریکیوں سے روشنی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ چودہ صدیوں بعد اب آثار قیامت کے ظاہر ہونے کی رفتار تیز تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے گویا کوئی ہار ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں امت کی صورت حال کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا، موجودہ حالات کی تبدیلی کو صحیح زاویہ سے دیکھا جاتا اور آئندہ کے لئے خطوط کار کی نشاندہی کی جاتی تاکہ یہ امت اپنے فرض منصبی کو کما حقہ سر انجام دے کر پوری انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ چنانچہ انہیں امور کو پیش نظر رکھ کر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس میں مختلف عناوین کے تحت بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے۔

انہ سمیع قریب مجیب

اسرار عالم

مُقدّمہ

ستمبر ۱۹۹۷ء سے روئے زمین اور اس کے جوار میں ایسی برق رفتار تبدیلیاں ہونا شروع ہوئیں اور ایسے نادر حوادث رونما ہوئے کہ انسان حیران بن کر رہ گیا ہے۔ ۱۹۹۹ء سے ان حوادث کے ظہور کی رفتار اور بھی تیز تر ہو گئی ہے۔ حالات کے ظہور کی ان نزاکتوں نے اس بات پر مجبور کیا کہ امت کے سامنے ایک تجزیہ فی الفور پیش کیا جانا چاہیے ـــــ خواہ وہ عجالۃ ہی کیوں نہ ہو ـــــ لہٰذا یہی عجالۃ اس کتاب کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس میں ابتداءً وہ حصہ ہے جو اس کتاب کی بنیادی بحث سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی مزید تفہیم و توضیح کے لیے دو اور مضامین بطور ضمیمہ شاملِ اشاعت کیے جارہے ہیں۔ ان میں پہلا مضمون "معرکۂ خلیج: مضمرات و عواقب" (اپریل ۱۹۹۱) مطبوعہ اور دوسرا "نیا نظام ابلیس" (مئی ۱۹۹۱) غیر مطبوعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ اللہ تعالیٰ ان اصحاب کو بھی جزاء خیر دے جنہوں نے اس کی تیاری میں میری مدد کی۔ و نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

اسرار عالم

فہرست

پہاڑی کے پیچھے فوج

ضمیمہ اول

ضمیمہ دوم

پہاڑی کے پیچھے فوج ٭

اہل علم کے نزدیک عالم خلق کا سب سے عظیم الشان واقعہ اس دن رونما ہوا ــــــ جو تقریباً تخلیق خلق سے بھی عظیم الشان واقعہ تھا ــــــ جب اس دنیا میں ختمی مرتبت، فخر موجودات، سرورکائنات حضرت محمد ﷺ نبی آخرالزماں اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ کی بعثت منصوبہ ربانی کا حاصل تھی۔ یوں تو ہر نبی اور ہر رسول زبان نبوت ورسالت سے کلام فرماتے تھے لیکن آپ ﷺ کا کلام زمان ومکان پر محیط ہے۔ چنانچہ بعثت مبارکہ کے بعد آپ نے نوع انسان سے پہلی بار خطاب فرمانے، اپنی بعثت کا اعلان کرنے اور کائنات میں ہونے والی آخری بعثت کے مقاصد کی تشریح وتعیین کرنے کے لیے کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور مخاطب اوّل ــــ بطون قریش ــــ کے توسط سے پوری کائنات سے خطاب فرمایا۔ آپ نے خبر دی:

"ارئیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من صفح ھذا الجبل"

ترجمہ: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے اس جانب ایک فوج ہے جو ظاہر ہونے والی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

"ان خیلا تخرج بالوادی"

ترجمہ: ایک فوج ہے جو وادی سے ظاہر ہونے والی ہے"

آپ نے مزید فرمایا:

"ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی؟"

ترجمہ: جو تم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

لوگوں نے کہا:

"نعم ما جربنا علیک الا صدقاً"

ترجمہ: جی ہاں، ہم تصدیق کریں گے اس لیے کہ ہمارے تجربے میں یہی بات آئی ہے کہ آپ سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

٭ ۲۷ اپریل ۱۹۹۹ء مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

"فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید"

ترجمہ: تو جان لو! میں تمہیں اس (فوج کے) شدید عذاب سے ڈرا وا دے رہا ہوں۔

آپ ﷺ نے وہ خبر دے دی تھی جس کے تناظر میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ تمام انبیاء کے سردار اور سب کے جامع ہیں۔ چنانچہ منصوبۂ رسالت کا اختتام بھی آپ کی ذات پر ہی ہونا تھا۔ چنانچہ اس کی تشریح فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اہل حق پر آنے والا وہ عظیم ترین خطرہ اور اہل حق کی وہ ہیبت ناک آزمائش جس کا ذکر تمام انبیاء کو رہا لیکن وہ ان کے زمانے میں ظاہر نہیں ہوا ایسا لگتا ہے کہ وہ اب ظاہر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

(۱) "مابین خلق آدم الی قیام الساعة امر اکبر من الدجال" (رواہ مسلم)

ترجمہ: آدمؑ کی پیدائش سے قیامت تک دجال سے بڑا کوئی امر نہیں ہے۔

(۲) "مامن نبی الا قد انذر امته الاعور الکذاب" (متفق علیہ)

ترجمہ: کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی امت کو کانے کذاب سے نہ ڈرایا ہو۔

چنانچہ آپ ﷺ نے امت کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسه والله خلیفتی علی کل مسلم" (مشکوٰۃ)

ترجمہ: اگر دجال کا خروج میری تمہارے درمیان موجودگی کے عالم میں ہوا تو اس کا مقابل میں ہوں گا۔ تمہاری ضرورت نہ ہوگی اور اگر میری عدم موجودگی میں اس کا خروج ہوا تو ہر آدمی اپنا ذمہ دار (محافظ) ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے لیے میری قائم مقامی فرمائے گا۔

قرائن یہی بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس حملہ آور ہونے والی فوج اور جس خطرے کے ظہور کی خبر دی تھی وہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔ آثار و قرائن اسی بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ قیامت کے آخری مرحلے کا پہلا حصہ مئی ۱۹۹۹ء سے شروع ہو گیا ہے۔ اس آخری مرحلے کے پانچ بڑے حصے معلوم ہوتے ہیں۔ اس عاجز و سیہ کار کا ناقص اندازہ یہ ہے کہ اس آخری مرحلے کا امتداد مئی ۱۹۹۹ سے ۱۰۰ سال سے ۳۰۰ سال تک ہوگا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس آخری مرحلے کے پانچ حصے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ اس آخری مرحلے کے پہلے حصے کا امتداد مئی ۱۹۹۹ء سے ۲۰ تا ۳۰ سالوں تک ہوگا۔ واللہ عندہ علم الساعة، واللہ اعلم بالصواب۔

الٹی گنتی

آثار و قرائن اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ الٹی گنتی کا آغاز ہو گیا ہے۔ چنانچہ الساعۃ (قیامت) کے آخری مرحلے کا پہلا حصہ درج ذیل ترتیب سے ظہور پذیر ہوگا۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ یہ پہلا حصہ مئی ۱۹۹۹ء سے شروع ہو کر ۲۰ سال تک وسیع ہو سکتا ہے یعنی اس کا زمانہ مئی ۱۹۹۹ء سے ۲۰۱۹ء تک یا زیادہ سے زیادہ ۲۰۳۰ تک ممتد ہو سکتا ہے۔ اس حصے میں چار ایسے غیر معمولی واقعات ہوں گے جو پوری زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔ اس لیے کہ یہ چاروں واقعات Chain Reaction کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ان چاروں واقعات کی دو ممکنہ ترتیب قرین قیاس نظر آتی ہے۔

پہلی ترتیب

(۱) حکومت اسرائیل کا فوجی اقدام کرکے مغربی کنارہ (West Bank) بشمول بیت المقدس، گولان کی پہاڑیوں (Golan Heights) اور غزہ پٹی (Gaza Stripe) کو ضم کر لینا اور غیر منقسم یروشلم کو ریاست اسرائیل کا دارالحکومت بنا لینا۔

(۲) مسجد اقصیٰ بشمول قبۃ الصخرہ اور تمام اسلامی عتبات کو زمین بوس کر دینا۔

(۳) شام، لبنان، اردن، عراق، سعودی عرب، مصر، یمن، کویت، عرب امارات، عمان کے بڑے حصے پر اسرائیل اور ان کے حلیفوں کے ذریعہ بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ کر لینا۔

(۴) ترکی، ایران، پاکستان، ازبکستان، داغستان، ترکمانستان، آذربائیجان، شیشان، تاتارستان، افغانستان، کرغزستان، بنگلہ دیش، ملائشیا، انڈونیشیا، سوڈان، لیبیا، الجزائر، تیونس، مراکش، ماریتانیا، نائجر، نائجیریا، چاڈ، یوگنڈا، صومالیہ پر اسرائیل اور اس کے حلیفوں کا حملہ کر دینا اور ان کو کلی طور پر تباہ کر دینے کی کوشش کرنا۔

دوسری ترتیب

(۱) مسجد اقصیٰ کو کسی یہودی طبقے کے ذریعے اچانک کسی روز ڈائنامائٹ سے اڑا لیا جانا۔

(۲) اس کے رد عمل کا سہارا لے کر حکومت اسرائیل کا فوجی اقدام کرنا اور مغربی کنارہ، گولان کی پہاڑیوں، غزہ پٹی کو ضم کر لینا، القدس کے تمام اسلامی شعار کو مٹا دینا اور غیر منقسم یروشلم

کو ریاست اسرائیل کا دار الحکومت بنا لینا۔

(۳) اس کے رد عمل کو Contain کرنے کے لیے لبنان، شام، اردن، عراق، سعودی عرب، مصر، یمن، کویت، عرب امارات، عمان کے بڑے حصے پر اسرائیل اور ان کے حلیفوں کا قبضہ کر لینا۔

(۴) اس کے رد عمل کو Contain کرنے کے لیے ترکی، ایران، پاکستان، تاجکستان، ازبکستان، داغستان، ترکمانستان، آذربائیجان، چیچنیا، تاتارستان، افغانستان، کرغیزستان، بنگلہ دیش، ملائشیا، انڈونیشیا، سوڈان، لیبیا، الجزائر، تیونس، مراکش، ماریطانیا، نائجر، نائجیریا، چاڈ، یوگنڈا، صومالیہ پر اسرائیل اور اس کے حلیفوں کا حملہ کر دینا اور ان کو کلی طور پر تباہ کر دینے کی کوشش کرنا۔

گش ایمونیم

ہر چند کہ اس آخری مرحلے کا آغاز راو زوی یہودا کک (Rav Zvi Yehuda Kook) کے ذریعہ بیت اللحم کے جنوبی حصے میں بمقام کفر اصیون (Kfar Etzion) جو یروشلم، ہبرون روڈ پر واقع ایک گاؤں ہے، فروری ۱۹۷۴ء میں ہو گیا تھا۔ لیکن ہم یہ جواسے زیر زمین قرار دینے پر مجبور ہوں تاہم اب مئی ۱۹۹۹ء سے اس کا بر سر زمین آجانا یقینی ہے۔

اس کوشش کا نام گش ایمونیم (Gush Emonim) ہے۔

مئی ۱۹۹۹ء کے بعد در اصل گش ایمونیم کے اعتقادات و نصب العین پورے عالم یہودیت کے علانیہ اعتقاد و نصب العین کی صورت اختیار کر لیں گے اور اس طرح یہ زیر زمین مرحلہ بر سر زمین آجائے گا۔

اس تناظر میں مئی ۱۹۹۹ء کو جو اہمیت حاصل ہے اور بار بار جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

(۱) عالمی یہودیت بالآخر اس فیصلہ پر پہنچ گئی ہے کہ ان کے نزدیک وہ حقول پیشین گوئی پائے تکمیل کو پہنچے جس کا ذکر صحیفہ میں ہے۔

(۲) گزشتہ تین سالوں سے اس پر باضابطہ کام کا آغاز ہو گیا ہے۔

(۳) ستمبر ۱۹۹۷ سے اس کے رد عمل کو روکنے اور پوری کارروائی کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لیے ایک خصوصی منصوبہ بندی پر عمل در آمد ہوا جس کا نتیجہ آج کو سوو بحران کی شکل

میں سامنے آیا ہے جواب یہودیوں کے نزدیک پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

یہ کہنا بہر حال آسان نہیں کہ حالات ترتیب اوّل کی طرف جائیں گے یا ترتیب ثانی کی طرف۔ بہر حال اگر غور کیا جائے تو دونوں ترتیبوں میں فرق صرف اوّل اور دوم نمبر میں بیان ہونے والے واقعات کی تقدیم و تاخیر ہے۔ اس لیے یہ بحث بہت زیادہ اہم نہیں کہ کون سا واقعہ پہلے رونما ہوگا اور کون بعد میں یعنی کون سا واقعہ کس واقعہ کا نتیجہ اور رد عمل ہوگا۔ یہ بات اس لیے بھی غیر اہم ہے کہ اب یہ پورا منصوبہ یہودیوں کا متفقہ منصوبہ بن گیا ہے اور دوسری طرف اس کے رد عمل کے نتیجے کو قابو میں رکھنے کے لیے یہودیت فیصلہ کر کے اقدام بھی کر چکی ہے۔ جس کی واضح مثال بلقان محاذ (Balkan Theatre) کے نام پر کی گئی موجودہ مورچہ بندی ہے۔

دراصل اس نکتے کو سمجھنے کے لیے اس جائزہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ جس میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر اس منصوبے کو غیر سرکاری طور پر پورا کیا جائے تو کیا متجاب اثرات (Collateral Effects) ہوں گے۔ اس خفیہ منصوبے کا یہ وہ خفیہ ترین جائزہ ہے جسے ہارورڈ سینٹر فار انٹرنیشنل افیئرز (The Harvard Centre for International Affairs) نے آج سے بارہ سال قبل لیا تھا۔ اس خفیہ مہم جوئی اور ناپاک ترین سازش کی آخری گہرائیوں کے جاننے والے اسرائیلی ماہر گیڈی آران (Gideon Aran) نے اس کا پورا جائزہ لیا ہے:

"The heads of the Underground estimated that the bombing of the 'abomination' would arouse hundreds of millions of Muslims to a Jihad, sweeping all mankind into an ultimate confrontation. This they interpreted as the War of Gog and Magog, with Cosmic implications. Israel's victorious emergence from this longed-for - trial by fire would then pave the way for the coming of the Messiah."

(Gideon Aran, 'Jewish Zionist fundamantalism: the bloc of the faithful in Israel

(Gush Emunim)', unpublished communications. folio 5 as quoted by La Revanche de Dieu by Gelles Kepel, Editions du seuil 1991)

ترجمہ: "زیرِ زمین" کے سربراہوں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس "کریہہ عمل" (مسجد اقصیٰ) کو بم سے اڑا دینا دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو جہاد کے لیے برپا کر دے گا جو بالآخر پوری انسانیت کو معرکۃ المعارک میں جھونک دے گا۔ اس معرکۃ المعارک کو انہوں نے یاجوج و ماجوج کی جنگ سے تعبیر کیا ہے جس کے کائناتی روحانی اثرات مرتب ہوں گے۔ آگ کی اس مطلوب آزمائش سے اسرائیل کا فاتح بر آمد ہونا زمین پر مسیح کی آمد کی راہ ہموار کرے گا۔"

یہودی پیشین گوئی

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کی پوری تاریخ تنک (TaNak) کے باب سفر حزقیل کے گرد گھومتی رہی ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان آیات کو یہودیوں نے خود اپنی تاویل اور تحریفی بداعمالیوں سے اپنے لیے مستقل مصیبت کی صورت میں تبدیل کر لیا چنانچہ سفر حزقیل رکوع ۳۶ آیت ۲۴ تا ۲۸ میں آیا ہے:

"میں تم کو قوموں میں سے نکال لوں گا اور تمام ملکوں سے جمع کروں گا اور تم کو تمہارے اپنے ملک میں پہنچا دوں گا۔ میں تم پر خالص پانی چھڑکوں گا اور تم پاک ہو جاؤ گے۔ اور میں تم کو تمہاری ساری ناپاکیوں اور بتوں سے پاک کروں گا۔ میں تم کو نیا دل دوں گا اور تمہارے اندر نئی روح پیدا کروں گا اور تمہارے بدن سے پتھر کا دل نکال کر تم کو گوشت کا دل دوں گا۔ اور اپنی روح تمہارے اندر دے کر ایسا کروں گا کہ تم میرے حکم پر چلو گے اور میرے قانون کو مان کر اس کے مطابق عمل کرو گے۔ تم اس ملک میں جا بسو گے جو میں نے تمہارے آباء کو دیا تھا اور تم میری رعیت قرار پاؤ گے اور میں تمہارا مالک۔"

چنانچہ ان کے تحریفی ذہن نے ہمیشہ اس کا غلط مطلب لیا اور زیادہ سے زیادہ شقی القلب ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے کے سبب انہیں اس مقام فضیلت سے ہمیشہ کے لیے معزول کر دیا۔ لیکن ان کے تحریفی ذہن نے اب تک انہیں اسی خام خیالی کا اسیر بنا رکھا ہے۔

سحر قتیل کی دوسری آیات جنہوں نے یہودیوں کو اور بھی پاگل بنا دیا ہے وہ رکوع ۳۸ اور ۳۹ ہیں۔ چنانچہ رکوع: ۳۸ آیت: ۱ میں فرمایا گیا:

"پھر یہوا کی یہ بات مجھ تک پہنچی۔ اے انسان کی اولاد! اپنا چہرہ ماجوج ملک کے جوج کی طرف کر کے ــــ جو روش، مے شخ اور توبل کا سردار ہے ــــ اس کے خلاف پیشین گوئی کر۔۔۔"

چنانچہ رکوع ۳۸ اور ۳۹ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس نے یہودیت کو پاگل بنا دیا ہے۔ وہ بھول گئے کہ حقائق اپنی جگہ لیکن وہ غلط تاویل کر رہے ہیں اس لیے کہ منظر اور منظور بدل گئے ہیں۔

عہد جدید میں صیہونیت دراصل انہیں آیات کو شیطان کی مدد لے کر اور اللہ رب العزت کی مرضی کو کچلتے ہوئے روبہ عمل لانے کی یہودی کوشش ہے یعنی سکینہ کو بزور طاقت حاصل کرنا (ملاحظہ ہو عالم اسلام کی روحانی صورت حال از اسرار عالم باب ۱۶)۔

چنانچہ ۱۹ ویں صدی اس تناظر میں یہودیوں کے لیے تیاریوں کی صدی تھی اور پوری بیسویں صدی اس نصب العین کو حاصل کرنے کی صدی کی طرح گزری ہے جس کا اب آخری مرحلہ آچکا ہے۔ یہودیوں نے اپنے خیال میں ماجوج کی سرزمین میں پائے جانے والے جوج کو جو روش، مے شخ اور توبل کا بادشاہ ہے قلع قمع کر دیا ہے۔ ان کے حلیف ــــ قذافی، انڈونیشیا اور لیبیا کو تباہ کر دیا ہے۔

اس تعلق سے یہودیوں کی کوششوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں کلیرنس ای میسن جونیر (Clarence E. Mason Junior) کا مضمون:

Gog and Magog. Who and when? مشمول در کتاب

Prophecy and the Seventies.

Edited by Charles Lee Feinberg: The Moody Bible Institute of Chicago 1971.

قرآن واحادیث

اس بحث کو یہیں چھوڑتے ہوئے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن اور احادیث مبارکہ میں اس تعلق سے کیا ہدایات ملتی ہیں اور ان کی روشنی میں موجودہ صورت حال سے متعلق کیا بات سامنے آتی ہے۔

چنانچہ دجال کے تعلق سے آنحضور ﷺ کی حدیث مبارکہ گزر چکی ہے۔ اسی ضمن میں آپ ﷺ نے دو نہایت اہم باتیں یاجوج وماجوج کے تعلق سے کہی ہیں۔ ظاہر ہے ان دونوں حدیثوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش اس مختصر تحریر میں نہیں لہٰذا انہیں صرف یہاں کی ضرورت کی حد تک زیر بحث لایا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) "عن زینب بنت جحش ان النبی ﷺ دخل علیہا فزعا یقول: لا الٰہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب۔ فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وحلق باصبعیہ الا بہام والتی تلیہا فقالت زینب بنت جحش فقلت یا رسول اللہ انہلک وفینا الصالحون، قال نعم اذا کثر الخبث۔" (رواہ البخاری کتاب الانبیاء)

ترجمہ: ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن میرے ہاں گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: لا الٰہ الا اللہ خرابی ہے عرب کے لیے اس آفت سے جو قریب آ گئی۔ آج یاجوج ماجوج کے بند میں اتنا شگاف پڑ گیا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر حلقہ بنایا (یعنی نقد ارتائی کہ اتنا شگاف ہو گیا ہے۔) حضرت زینب کہتی ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے کہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب خبث بڑھ جائے گا۔

(۲) "عن ابی ھریرہ عن النبی ﷺ قال فتح اللہ من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذا وعقد بیدہ تسعین" (رواہ البخاری کتاب الانبیاء)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یاجوج وماجوج کے بند میں اللہ نے اتنا شگاف ڈال دیا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے نوے کا ہندسہ بنایا۔

یہاں اس تعلق سے سر دست صرف درج ذیل بات کہنی ہے:

(۱) یاجوج وماجوج کے ظہور کا معاملہ منصوص ہے۔

(۲) یاجوج وماجوج کے ظہور کی ابتدائی تیاریاں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے آخری دنوں میں شروع ہو چکی تھیں۔

(۳) ہم یہ بات بغیر بحث اور تقریر کے مان کر چلتے ہیں کہ ظہور یاجوج وماجوج ظہور و قتل دجال کے بعد ہو گا۔

اس ضمن میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس حدیث کو زیر بحث لایا جائے جو بخاری کتاب استتابة المعاندین والمرتدین وقتالهم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، چونکہ یہی حدیث بخاری کتاب الفتن میں بھی آئی ہے اس لیے ہم اس سے بھی استفادہ کریں گے۔

"عن ابی هریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتقوم الساعة حتی تقتتل فئتان دعواهما واحدة۔" (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت نہیں آئے گی جب تک دو گروہ آپس میں نہ لڑیں جن کا دعویٰ ایک ہوگا۔

اس حدیث کے الفاظ کتاب الفتن میں یوں آئے ہیں۔

"حتی تقتتل فئتان عظیمتان تکون بینهما مقتلة عظیمة دعواهما واحدة"

ترجمہ: جب تک دو عظیم گروہ آپس میں عظیم جنگ نہ لڑیں جن کا دعویٰ ایک ہو۔

عام طور پر جمہور محدثین کا خیال ہے کہ یہاں دو گروہوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے مابین ہونے والی جنگ ہے۔

اس عاجز کو اس رائے کے تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ جس کے درج ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حدیث کائنات کے تناظر میں ہے اور اس کا یہ مفہوم صرف اسلامی معاشرے کو سامنے رکھ کر ہے جب کہ قیامت کا تعلق کائنات کے اس معاملے سے ہے جس میں سب شامل ہیں۔

(۲) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائیوں کو فئتان عظیمتان کہنا پوری دنیا کی تاریخ جنگ و جدال میں زیادتی ہوگی۔

(۳) مقتلة عظیمة روایت بالمعنی محسوس ہوتی ہے۔ تاہم اگر اسے روایت باللفظ بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب صرف ایک واقعہ جنگ لینا درست نہیں۔ اس کا اطلاق ایک سے زائد جنگوں یا سلسلہ ہائے جنگ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی طرف خود تقتتل اشارہ کرتا ہے۔ بلاشبہ اقتتل کا دو فریقوں کا سوء اتفاق لڑ پڑنا، اور دو فریقوں کا ایک بار لڑ جانا ہم بھی اطلاق ہوتا ہے لیکن اس باب میں تسلسل اور ایک سے زاید بار لڑنے یا لڑتے رہنے کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجت۔ وآتینا عیسی ابن مریم البینت وایدنه بروح القدس ولو شاء الله ما اقتتل الذین من بعدهم من بعد ما جاء تهم البینت ولکن اختلفوا من آمن ومنهم من کفر ولو شاء الله ما اقتتلوا ولکن الله یفعل ما یرید۔ (البقرة:۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے۔ مگر انہوں نے باہم اختلاف کیا پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(۲) اکثر شارحین نے دعواهما واحدة کا مطلب درج ذیل لیا ہے:

(۱) المراد بالدعوی الاسلام علی القول الراجح (راجح قول یہ ہے کہ دونوں اسلام کے دعویدار تھے)

(۲) وقیل المراد اعتقاد کل منهما علی الحق وصاحبه علی الباطل بحسب اجتهاد هما۔ وغیرہ وغیرہ۔ (مراد یہ ہے کہ دونوں کا اعتقاد تھا کہ وہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر اور یہ بات دونوں کے اجتہاد کے مطابق تھی۔)

اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ دعواهما واحدة کا یہ مفہوم مراد لینا کہ دونوں کے دعاوی ایک ہی تھے بلا وجہ ہے۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو آنحضور ﷺ کی زبان اعجاز بیان سے ایسی بات نہیں نکل سکتی۔ اور جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے تو بھلا اس میں حضرات علی و معاویہ کے معرکہ کی ہی کیا تخصیص ہے۔ دنیا میں کوئی نزاع ہو ابتدائے آفرینش سے اس کی یہی صورت رہی ہے کہ تنازعہ کے دو فریق ہوتے ہیں اور شئی متنازعہ کے تعلق سے دونوں کے دعوے ایک ہوتے ہیں۔ اور دونوں فریق اپنے کو برحق اور سامنے والے کو برسر غلط سمجھتا ہے۔

دراصل دعواهما واحدة صرف بیانیہ نہیں بلکہ بیان ہے جو رسالت کی ایک خاص صفت ہے۔ یہ ان لڑنے والے گروہوں کی ایک اہم ترین علامت کے بطور بیان کی گئی ہے۔ اور علامت

ہمیشہ متمیز کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ کسی مجمع میں کسی شخص کی پہچان کے لیے یہ کہنا کہ اس شخص کی ناک ہے لایعنی اور لغویات ہو گی۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ناک کٹی ہوئی یا بہت لمبی یا چھوٹی ہو گی ایک علامت قرار پائے گی چنانچہ دعواهما واحدة کا یہ مفہوم لغو ہے کہ ان دونوں کے دعوے ایک ہوں گے۔ بلکہ اس کا مفہوم ہے کہ دنیا میں عام طور پر لڑنے والے فریق مخالف اور دشمن ہوتے ہیں لیکن یہ دونوں عظیم گروہ سب سے الگ اور ممتاز ہوں گے۔ یہ دو عظیم مخالف اور معاند گروہ کی صورت میں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں گے اور ان کے درمیان عظیم معرکہ آرائیاں ہوں گی لیکن ان دونوں کا مقصد بہ دونوں کی اصلیت، اور دونوں کی حقیقت ایک ہو گی۔ اور یہی صفت ان کی پوری کائنات میں ہونے والی لڑائیوں میں ممتاز کرنے والی ہو گی۔ یہ مخالف اور دشمن ہوں گے۔ ان کے مابین عظیم خونریزیاں ہوں گی لیکن یہ ایک ہی مقصد کے لیے کام کر رہے ہوں گے۔

چنانچہ میری ناقص رائے میں اس حدیث کے مصداق حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مشاجرات قطعاً نہیں ہو سکتے۔

اگر تاریخ انسانی میں اس کا کسی واقعے پر اطلاق ہو سکتا ہے تو صیہونیوں کا خلق کردہ نظریہ تھیسس، اینٹی تھیسس اور سن تھیسس ہے جسے عام طور پر ہیگل سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہی نظریہ ہے جس کی تشکیل پہلی جنگ عظیم کا باعث ہوئی۔ پھر دوسری جنگ عظیم کا باعث ہوئی۔ اور پھر سرد جنگ کا باعث ہوئی۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ نسل انسانی کی تاریخ میں انہی دونوں جنگوں کو عالمی کہا جا سکتا ہے۔ پھر اس کی اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کے دونوں مخالف فریق ایک ہی طبقے کے دو دھڑے ہیں جن کی Parent Body ایک ہی ہے یعنی عالمی یہودی کانگریس۔ چنانچہ اعلیٰ ترین سطح پر دونوں ایک ہی مقصد کے لیے بظاہر باہم خونریز جنگیں لڑتے رہے اور جب ان کی ضرورت نے شدت اختیار کی تو یہ بظاہر نہ ملنے والے سرے باہم آ کر شیر و شکر بھی ہو گئے۔ اس کی سب سے بین مثال ۱۹۳۹ میں سوویت یونین کا جرمنی کے خلاف اور برطانیہ کے حق میں اعلان جنگ کرنا ہے۔ ظاہری فکری مناسبت کے اعتبار سے سوویت یونین کی سوشلسٹ حکومت کو جرمنی کی سوشلسٹ حکومت کی حمایت کرنی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ برعکس ہوا۔

چنانچہ میری ناقص رائے میں دو عظیم گروہوں کے مابین واقع ہونے والا وہ ملحمہ جنگ جن کے دعوے ایک ہوں دراصل بیسویں صدی میں دو متضاد یہودی گروہوں کے مابین ہونے

والی عالمی ج[illegible] تھیسس تھیں اور جن کا مقصد سن تھیسس کو بر آمد کرنا تھا۔ ان میں پہلی جنگ عظیم میں ایک جانب برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ۔ وہاں کے یہودیوں کے آلہ کار تھے اور دوسری جانب جرمنی، آسٹریا اور ترکی اپنے علاقوں کے یہودیوں کے آلۂ کار لاکھوں لوگ مارے گئے اور بظاہر دونوں گروہوں میں ایک ہار گیا اور دوسرا فاتح قرار پایا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سن تھیسس یعنی حاصل یہ ہوا کہ دونوں گروہوں نے ایک ہی مقصد حاصل کیا جو یہودی مقاصد تھے۔ جرمنی میں ہیبس برگ حکومت ختم ہو گئی اور پورا جرمنی یہودیوں کے ہاتھوں گروی ہو گیا۔ اٹلی میں کیتھولک چرچ روند ڈالا گیا اور جو کام نپولین نہیں کر پایا وہ جنگ عظیم اوّل کے بعد ہو گیا۔ فلسطین پوری طرح یہودیوں کے ہاتھوں یرغمال ہو گیا۔ ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا ترکی کو ہرانے والے یہودی بھی فاتح ہو گئے اور ترکی کی طرف سے لڑنے والا سب سے بڑا جنرل مصطفیٰ کمال پاشا بار کر بھی جیت گیا۔ خاتمہ ہوا تو خلافت عثمانیہ کا اور اس کے حصے بخرے ہو گئے۔

جنگ عظیم دوم سے قبل دنیا دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ سرمایہ دارانہ قطب جس کا سربراہ برطانیہ تھا اور اشتراکی قطب جس کا سربراہ روس تھا۔

عالمی کشیدگی کا آغاز ان دو قطبوں کی کشیدگی سے ہوا لیکن جب جنگ ہوئی تو دونوں قطب ایک پلیٹ فارم پر تھے اور جنگ۔ تعویق کی قوت (Forces of Retardation) کے خلاف تھی۔ کروڑوں لوگ مارے گئے برطانیہ، امریکہ، فرانس، روس جیت گئے۔ جرمنی، اٹلی، اور جاپان ہار گئے، یہ تینوں دراصل تعویق کی قوتیں ابھری تھیں جو اس تھیسس اور انٹی تھیسس کو جو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی قطبوں کے بیچ تھیں ان کو مضطرب (ڈسٹرب) کر رہی تھیں اور اس تھیسس، انٹی تھیسس کے ذریعہ سن تھیسس کو حاصل کرنے کے لیے تعویق کی قوت۔ کے ان مراکز کا ختم ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ انہیں ختم کر دیا گیا۔ چونکہ ترکی کو مزید خراب کرنا تھا لہٰذا آخری مرحلے میں اسے بھی اس گروہ میں شامل کرا دیا گیا جسے خراب کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ برطانیہ، فرانس، روس اور امریکہ جیت گئے جرمنی، اٹلی، جاپان اور ان کے ساتھ ترکی ہار گئے۔ لیکن مقاصد کیا پورے ہوئے۔ تھیسس، انٹی تھیسس کے ذریعہ کس چیز کی سن تھیسس دریافت کرنی تھی۔ وہ تین تھے۔

(۱) سن تھیسس کا باضابطہ ادارہ یعنی اقوام متحدہ، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور عالمی عدالت کا قیام

(۲) ریاست اسرائیل کا قیام

(۳) یہودیت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اقوام متحدہ، آئی ایم ایف، ورلڈ بنک اور عالمی عدالت کو آلۂ کار بنا کر اپنی مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے روئے زمین پر دو یہودی قطبوں کے ذریعہ توازن قائم کرنا۔ چنانچہ یہ دو قطب سرمایہ دارانہ (امریکی) اور اشتراکی (روس) قطب ہیں جن کا مقام عمل سلامتی کونسل (Security Council) قرار پایا۔ یہ باہم مخالف رہیں گے۔ آپس میں خونریزیاں کریں گے لیکن متحدہ فیصلہ سلامتی کونسل میں کریں گے۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ جب ۱۹۴۸ء میں ریاست اسرائیل کا اعلان ہوا جو سراسر امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے تھا تو اس کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والا ملک کوئی اور نہیں خود سوویت یونین تھا۔ چنانچہ یہ ایک تاریخ ہے کہ جب بحیثیت ریاست کے پاکستان نے اس پر اقوام متحدہ میں احتجاج کیا تو پاکستان کو سخت ترین انتباہ دینے والا شخص اور کوئی نہیں بلکہ خود گرومیکو تھا جو سلامتی کونسل میں روس کا نمائندہ تھا۔

چنانچہ اس عاجز کی ناقص رائے میں یہ دو عظیم گروہ دراصل بیسویں صدی کی ——— جو خود پہلی عالمی صدی ہے ——— یہودیت کے دو حصے ہیں جو بظاہر باہم مخالف اور متحارب ہیں لیکن جو باطن ایک ہی مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اور جن کے ذریعہ پوری صدی میں خونریزی ہوتی رہی ہے بشمولِ دو عظیم جنگوں کے جن میں کروڑوں لوگ مارے گئے۔

ظہور سے قبل

آخری مرحلے کے پہلے حصے سے کیا مراد ہے۔ ابھی ما قبل سطروں میں اس حصے کا جو نقشہ کھینچا گیا وہ حادثات اور علاقائی کنٹرول یا حملوں کے اعتبار سے تھا۔ لیکن صورت حال کے اعتبار سے اس کی کیا خصوصیات ہوں گی؟

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ پہلا حصہ اغلباً ۲۰ سالوں تک ممتد ہو گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حادثات مئی ۱۹۹۹ء کے بعد کسی لمحے رونما ہو سکتے ہیں لیکن بصورت تاخیر اس حصے کا آغاز اور اس کی تکمیل ۲۰ سالوں میں ممکن ہے۔

میری ناقص رائے میں **اقتتال فتنتان عظیمتان** کا دور ۱۸۹۷ء سے شروع ہو کر ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۷ء پر ختم ہو جاتا ہے اسے بعض اعتبار سے ۱۹۹۹ء بھی مانا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے مزید دو سال بڑھا کر ۲۰۰۲ بھی مانا جا سکتا ہے لیکن میں نے اسے ۱۹۹۹ مانا ہے۔ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۲ تک

حساب لگانے کا استدلال دراصل اس بات سے منسلک ہے کہ اگر تھیسس، اینٹی تھیسس اور سن تھیسس کے تعلق سے Perestroika کے اختتام کو مانا جائے تو ۱۹۸۹ تک مانا جائے گا اور اگر Glasnost کے حتمی تکمیل کو مانا جائے تو اسے ۲۰۰۲ تک دراز کرنا ہوگا۔ میں نے ان کے درمیان ۱۹۹۹ء کو مان لیا ہے۔

یہاں آنحضور ﷺ کی ایک اور حدیث کی تشریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عن ربعی بن حراش قال: انطلقت مع أبی مسعود الانصاری إلی حذیفة بن الیمان رضی الله عنهم فقال له ابو مسعود، حدثنی ماسمعت من رسول الله ﷺ فی الدجال قال: ان الدجال یخرج وان معه ماءً ونارأ، فاما الذی یراه الناس ماءً فنارٌ تحرق واما الذی یراه الناس نارأ فماءٌ بارد عذب، فمن ادرکه منکم فلیقع فی الذی یراه نارأ فانه ماءٌ عذب طیب فقال ابو مسعود: وانا قد سمعته. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ربعی بن حراش سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں اور ابو مسعود انصاری حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم کی طرف گئے۔ ابو مسعود نے ان سے کہا کہ دجال کے تعلق سے نبی ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث بیان فرمایئے، کہا "کہ دجال نکلے گا، اور اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی، جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ جلاڈالنے والی آگ ہوگی اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا شیریں پانی ہوگا۔ تم میں سے جو بھی اسے پائے تو اس میں جائے جسے آگ سمجھے کیونکہ وہ میٹھا ٹھنڈا اور اچھا پانی ہوگا۔ ابو مسعود نے کہا کہ میں نے بھی اس حدیث کو سنا۔ (متفق علیہ)

ظاہر ہے یہ حدیث ظہور دجال سے متعلق ہے۔ یعنی دجال ظاہر ہوگا تو اس کی اقدامی صورت یہ ہوگی۔ آثار و قرائن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اقتتال فئتان عظیمتان اور ظہور دجال کے درمیان ایک زمانہ ہوگا۔ اس زمانہ کو ظہور دجال کی تیاریوں کا زمانہ کہا جاسکتا ہے یوں تو خود فئتان عظیمتان کے اقتتال کا ظہور بھی اسی کی تیاریوں کا ایک زمانہ ہے لیکن اس کے بعد کا زمانہ بطور خاص اس دجال کے ظہور کی تیاریوں کا زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں ایک تنسیق پائی جاتی ہے جو اس کی داخلی ترتیب کو بھی واضح کرتی ہے۔ نوع انسانی کی تاریخ کے ایک عظیم الشان یا غیر معمولی واقعہ کے بطور اس بات کا ظہور ہوگا کہ

فنتانِ عظیمتان کے مابین خونریزی ہوگی۔ یعنی فتنانِ عظیمتان کے ظہور سے قبل زمین یا تو سینکڑوں طبقوں کے مابین منقسم ہوگی یا کم از کم دو سے زاید طبقوں کے مابین منقسم ہوگی۔ فینتان عظیمتان ظہور اس بات کی دلیل ہوگا کہ زمین پر نظام یا آرڈر کے بطور ایک Duocracy قائم ہو جائے گی۔ اس Duocracy کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ظاہراً وہ Duocracy ہوگی اور باطناً Monocracy ظاہر ہے کچھ عرصے کے بعد یعنی متعلقہ عظیمت کے بعد یہ ظاہری Duocracy رخصت ہو جائے گی اور ظاہر باطن ہر اعتبار سے Monocracy قائم ہوگی۔ ظاہر و باطن کے اعتبار سے مکمل Monopoly کے قیام کا نقطۂ عروج دراصل ظہور دجال کی پہلی شرط ہوگی۔

میری ناقص رائے میں ۱۸۹۷ء سے ۱۹۸۹ یا ۱۹۹۱ یا ۱۹۹۷ء یا ۱۹۹۹ یا زیادہ سے زیادہ ۲۰۰۲ ظاہری Duocracy اور باطنی Monocracy کا عہد ہے۔ اور ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۹ ظاہراً اور باطناً دونوں اعتبار سے قائم ہونے والی Monocracy کے درجہ کمال تک پہنچنے کی مدت ہوگی۔ جو دراصل ظہور دجال کی گھڑی ہوگی۔ (اس نتیجے تک پہنچنے کے متعدد اور پیچیدہ دلائل ہیں جن کی تشریح یہاں ممکن نہیں)

چنانچہ ظہور دجال اسی وقت ممکن ہے جب شیطان پوری دنیا پر ایسا تسلط قائم کرلے گا جسے آخری درجے کا تسلط کہا جاسکتا ہے۔ یعنی اس شیطانی نظام کے سامنے سارے نظام، سارے معاشرے، ساری انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ صرف یہی نہیں کہ کوئی متوازی نظام کا رہنا ممکن نہ ہوگا بلکہ یہ بھی کہ کوئی متوازی معاشرہ حتیٰ کہ کوئی متوازی انفرادیت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس Monocracy کی ابتداء متوازی نظام کے خاتمے سے ہوگی پھر متوازی معاشرے کا خاتمہ ہوگا یہاں تک کہ کسی فرد کو صرف اور صرف انفرادی اعتبار سے اپنے عقائد کے مطابق چلنے کا اختیار بھی باقی نہیں رہے گا پہلے متوازی نظام غیر قانونی یا دہشت گرد (Outlaw or Terrorist) قرار پائے گا۔ پھر متوازی ممالک (Outlaw or Terrorist Countries) پھر متوازی معاشرے (Outlaw or Terrorist Societies) پھر متوازی گروہ (Outlaw or Terrorist Groups & outfits) پھر متوازی فرد (Outlaw or Terrorist Individuals) ثالثاً یہی وہ کیفیت ہوگی جس کے اظہار کے لیے آنحضور ﷺ نے کئی پیرائے بیان اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

(۱)العبادۃ فی الھرج کھجرۃ الیّ.
ترجمہ: ھرج ومرج کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا (آنؐ) ہجرت کر کے ہمارے پاس آنا۔

(۲)من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔
ترجمہ: امت میں عام فساد کے وقت میری سنت کو جو مضبوطی سے پکڑے گا اسے سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(۳)انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ھلک ثم یاتی زمان من عمل منھم بعشر ما امر بہ نجا۔
ترجمہ: تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جو شخص بھی ماموروات کا دس فیصد چھوڑ دے وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ تم میں سے کوئی ماموروات کے دس فیصد پر بھی عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔

میری ناقص رائے میں ہم فتنتان عظیمتان کی خونریزی کے خاتمہ اور ظہور دجال کے درمیان کی مدت میں آچکے ہیں۔ یہی وہ مدت ہے جسے ۱۹۹۹ تا ۲۰۱۹ یا زیادہ سے زیادہ ۲۰۳۰ تک محدود قرار دیا گیا ہے۔

تحدیات (THREATS)

اس بیس تا تیس سالہ مدت میں کیا کیا تحدیات ہیں؟ ان تحدیات کے مختلف پہلوؤں کا میں نے اپنی کتابوں میں جستہ جستہ اظہار کیا ہے: چنانچہ "اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج" میں میں نے لکھا:

"نسل انسانی کی فلاح کے تعلق سے خطرہ یہ ہے کہ اگر معاصر دنیا کے انسان خواہ وہ کسی معاشرے سے تعلق رکھتے ہوں اسی روش پر چلتے رہے جس کی قدریں یہ جاہلی نظام متعین کرتا ہے تو آئندہ صدی تک یہ دنیا روحانی، طبعی، نفسیاتی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی طور پر چند جباروں یا ایک جباریت کی صد فیصد غلام ہو کر رہ جائے گی اور لوگوں کے جملہ نجی اور اجتماعی حقوق براہ راست یا بالواسطہ سلب کر لیے جائیں گے اور خدا نا آشنا ظالم افراد کی ایک مختصر جمعیت ان پر چنگیزی کے ساتھ حکومت کرے گی۔ (اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج ص: ۲۷)

"عالم اسلام کی اقتصادی صورت حال" میں میں نے ۹ مہلکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:
یہ خطرات و مہلکات کم از کم نو اقسام کی ہیں جو درج ذیل ہیں:
(۱) مغرب نے عالم اسلام کی تمام آبی گزرگاہوں پر یا تو قبضہ کر لیا ہے یا ان پر اپنی بالادستی قائم کر رکھی ہے۔
(۲) مغرب نے اپنی تمام خانہ زاد ایجنسیوں مثلاً UNO اور عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لے کر تمام گزرگاہوں پر قبضہ کر لیا ہے۔
(۳) مغرب عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لے کر اس بات کی بھرپور کوشش کر رہا ہے کہ عالم اسلام آسمان میں اس کی اجارہ داری کا خاتمہ نہ کر سکے۔
(۴) مغرب اپنی خانہ زاد ایجنسیوں، عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لے کر اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ عالم اسلام کی تمام معدنیات پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔
(۵) مذکورہ قوتوں کا سہارا لے کر بعض حربوں سے ..... وہ سارے عالم کی زراعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔
(۶) انہیں حربوں کا استعمال کر کے عالم اسلام کے تمام انسانی وسائل کو اپنا غلام اور اپنی ملک بنانے کی تدبیر ہو رہی ہے۔
(۷) بعض مخصوص تدابیر سے عالم اسلام میں پائے جانے والے تمام عقلی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں اور قوتوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے مغرب اسلام کا گلا گھونٹنا شروع کر چکا ہے۔
(۸) ۱۹۱۶، ۱۹۲۳، ۱۹۴۸، ۱۹۵۶، ۱۹۶۷ اور ۱۹۶۹ کی کاروائیوں، ۱۹۷۸ء کے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ، ۱۹۹۱ کی جنگ خلیج اور اب اسرائیل اور PLO معاہدہ کی سازشوں سے یہودیوں نے دار الاسلام کے قلب یعنی دار الامن اور جزیرۃ العرب کو کلی حصار میں لے لیا ہے۔ پورے عالم عرب میں مراکش سے لے کر خلیج فارس تک (عوام کو چھوڑ کر) عملاً اسرائیل کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اقتدار قائم ہو گیا ہے.......
(۹) اس سلسلے کا نواں خطرہ اور مہلکہ یہ ہے کہ مختلف وجوہات سے دار الاسلام یعنی Muslim Heartland اور بطور خاص جزیرۃ العرب وما حولھا میں مشرکین اور بت پرستوں کی آبادیوں میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے.......

اس طرح اس وقت سارا عالم اسلام ان نو مہلکات سے موت و حیات کی جنگ لڑ رہا ہے۔"

(عالم اسلام کی اقتصادی صورت حال ص: ۵ تا ۸)

اسی کتاب کے صفحات ۳۲ تا ۳۶ میں کلی اجارہ داری کی تفصیلات کا احاطہ کیا گیا ہے جو پورے عالم اور بطور خاص عالم اسلام پر قائم کی جا رہی ہے۔ ان اجارہ داریوں میں خاص درج ذیل ہیں:

(۱) عقائدی اجارہ داری Ideological & Dogmatic Monopoly

(۲) معاشی اجارہ داری Economic Monopoly

(۳) سیاسی اجارہ داری Political Monopoly

(۴) عسکری اجارہ داری Martial Monopoly

(۵) وسائلی اجارہ داری Resource Monopoly

(۶) ترسیلی اجارہ داری Logistic Monopoly

(۷) تدبیری اجارہ داری Strategic Monopoly

اس کے ساتھ ساتھ اسی کتاب میں میں نے ان ارتکازات کا بھی ذکر کیا ہے جو اس اجارہ داری کو ہمہ گیر (All- Pervading & All- Comprehensive) بنانے کے تعلق سے قائم کی جا رہی ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) علمی ارتکاز Academic Centralisation

(۲) اطلاعاتی و معلوماتی ارتکاز Informational & Knowledge Centralisation

(۳) احصائی ارتکاز Data Centralisation

(۴) مواصلاتی ارتکاز Communicational Centralisation

(۵) ثقافتی ارتکاز Cultural Centralisation

(۶) لسانی ارتکاز Lingual Centralisation

(۷) میقاتی ارتکاز Timous Centralisation

(۸) اخلاقی ارتکاز Moral Centralisation

(عالم اسلام کی اقتصادی صورت حال ص: ۳۸)

"عالم اسلام کی روحانی صورت حال میں" میں نے لکھا:

"آج امت مسلمہ ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ امت کی اکثریت کو معلوم نہیں کہ نہ صرف یہ کہ اس کا سیاسی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، اس کا اقتصادی نظام ٹوٹ چکا ہے، اسے متاع طیب سے محروم کر دیا گیا ہے، بلکہ اس کو اس کا بھی ادراک نہیں کہ اس کا روحانی نظام یہودیوں کے نفوذ، مداخل اور حملوں سے درہم برہم ہوتا جا رہا ہے جس کے اثرات اب ملت کی حیات پر واضح طور پر پڑنے لگے ہیں۔ اس امت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کے روحانی نظام کو جو تمام نظاموں کی اصل ہے تہس نہس کیا جاتا رہا ہے اور اسے اس کی خبر تک نہیں بلکہ وہ اسے درہم برہم کرنے میں اللہ کے دشمنوں کی آلہ کار بنتی جا رہی ہے۔

اس وقت امت میں پے در پے جتنے حادثات فاجعہ رونما ہو رہے ہیں وہ محض اس کا نتیجہ نہیں کہ خلافت ختم ہو چکی ہے اور امت سیاسی، عسکری اور اقتصادی اعتبار سے کمزور ہو چکی ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اس کا روحانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ ملائکہ، آسمان و دنیا، ملاء اعلیٰ، حاملین حول العرش، عرش معلی بلکہ خود اللہ سبحانہ تعالیٰ سے اس کا رابطہ اگر ٹوٹا نہیں تو کمزور ہو گیا ہے۔ اب اس کی دعائیں مستجاب نہیں۔ اب کائنات اس کے لیے مسخر نہیں۔ دیگر مخلوق اس کے لیے دعا گو نہیں۔ ان کے قلوب، ان کا جسم، ان کا گھر، ان کا محلہ، ان کا علاقہ، ان کا ملک اب شیطان کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ بلکہ اس نے خود کو اس نظام سے ہی الگ کر لیا ہے جو کائنات میں قائم ربانی نظام ہے جس کے اندر رہنے والوں کو امن نصیب ہوتا ہے اور جہاں سکینت نازل ہوتی ہے۔"

(عالم اسلام کی روحانی صورت حال ص:۱۵ تا ۱۶)

اسی کتاب میں عرض کیا گیا:

"امت محمدیہ کی یہود سے معرکہ آرائی کی اصل حقیقت دو ایسے نصب العین کا ٹکراؤ ہے جو اپنی اپنی جگہ دونوں کا مقصد وجود ہے۔ امت محمدیہ حزب اللہ ہے اور اس کا فرض منصبی اللہ کے مشن کو کامیاب بنانا، انسان کو اللہ کی نظر میں سرخرو کرنا اور انسانی تاریخ کو بہتر انجام سے ہمکنار کرنا ہے۔ جبکہ یہود حزب الشیطان ہیں۔ اور ان کا مشن شیطان کے مشن کو کامیاب بنانا، انسان کو اللہ کی نظروں سے گرانا اور انسانی تاریخ کو برے انجام سے دوچار کرنا ہے۔

یہ مقابلہ ہے "حزب اللہ سے حزب الشیطان کا، رضاء الٰہی سے ہوائے شیطان کا، ربانی مشن سے ابلیسی مشن کا۔

عصر حاضر میں اور بطور خاص قیام اسرائیل کے بعد امت مسلمہ کی یہود سے معرکہ آرائی

محض زمین کی معرکہ آرائی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معرکہ آرائی اس عظیم امر کی ہے جسے حق اور باطل کی معرکہ آرائی کہتے ہیں۔ سب کچھ اس کا تسلسل ہے۔"

(عالم اسلام کی روحانی صورت حال ص: ۴۸ تا ۴۹)

میں نے آنحضور ﷺ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جسے حضرت زینب بنت جحش نے روایت کی ہے اور اس میں آنحضورؐ نے شگاف پڑنے اور یاجوج وماجوج کے ظاہر ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

عالم اسلام کی روحانی صورت حال کی اس عبارت پر غور کیا جانا چاہئے جہاں میں نے لکھا:

"واقعہ یہ ہے کہ اس امت پر ہونے والے یہودیوں کے تمام حملوں میں سب سے خطرناک، سب سے مؤثر اور سب سے جان کن وہ حملے تھے جو انہوں نے شیطانی قوتوں کا سہارا لے کر اس کے روحانی نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے کیے۔

ہر چند کہ ان حملوں کے باوجود امت اللہ کے فضل وکرم سے زندہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں سے بے دم ہو چکی ہے۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے ظاہری نظام ٹوٹ چکے ہیں یا ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ اس لیے کہ دراصل ان سب کی اصل روحانی نظام منہدم ہو چکا ہے۔ اگر وہ حفاظت جو اللہ تعالیٰ، آنحضور ﷺ اور ملائکہ کی طرف سے حاصل نہ ہوتی تو امت کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔"

(عالم اسلام کی روحانی صورت حال ص: ۵۱)

ان عظیم حادثات میں درج ذیل واقعات خاص ذکر کیے گئے:

(۱) خلافت راشدہ کا خاتمہ
(۲) خلافت بنو امیہ کا خاتمہ
(۳) خلافت بنو عباسیہ کا خاتمہ
(۴) سقوط بیت المقدس
(۵) سقوط اندلس
(۶) سقوط خاندان مغلیہ
(۷) سقوط سوویت یونین اور سقوط خانات
(۸) خلافت عثمانیہ کا خاتمہ
(۹) قیام اسرائیل ۱۹۴۸
(۱۰) سقوط بیت المقدس ۱۹۶۷

(۱۱) معرکہ خلیج ۱۹۹۱

(۱۲) انہدام بابری مسجد ۱۹۹۲

"عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال" میں میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا:

"نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز جنگ خلیج کے بعد ہوا۔ ساری دنیا میں سیکولرائزیشن کا عمل اب بنیادی طور پر بین الاقوامی کلی عامل رعوامل اور بین الاقوامی عامل رعوامل کے ذریعہ ہونا شروع ہوا ہے۔"........

یہودی، بنیادی طور پر اب شیطان کے جارحہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اور ان کا مشن ربانی نظام کو منہدم کر کے اس کی جگہ شیطانی نظام نافذ کرنا ہے....... چنانچہ اس ہمہ اطراف نفاذ کا دوسرا نام "قابل برداشت سوسائٹی" کا قیام مہیا جا سکتا ہے........

..... چنانچہ جنگ خلیج کے ختم ہوتے ہی اگلے مرحلے کا اعلان کر دیا گیا جسے "نیو ورلڈ آرڈر" (New World Order) کہا جاتا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اقوام متحدہ کے علم کے تحت اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی قوت قاہرہ اور نافذہ کے ساتھ نیو ورلڈ آرڈر "قابل برداشت ترقی" کے کاموں کے آغاز کا فیصلہ ہوا جسے دنیا "ماحول اور ترقی کا ریو اعلامیہ" کے نام سے جانتی ہے.......

امت مسلمہ کی معتد بہ تعداد کو خواہ اس وقت یہودیوں کے منصوبوں "قابل برداشت سوسائٹی" کے قیام کا علم ہو یا نہ ہو لیکن یہودی اسے بخوبی جانتے ہیں کہ دیر یا سویر جب انہیں اس کا علم ہوگا تو وہ اس کو کلی طور پر قبول کرنا تو درکنار وہ اس کے کلی جز سے بھی سمجھوتہ نہیں کریں گے اور بالآخر ان کی مزاحمت علانیہ ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لے گی۔ چنانچہ انہوں نے دو قطبین نظام (Bipolar System) کے سارے مورچوں (یہاں مراد ناٹو NATO ہے) کو اسی طرح رہنے دیا....... چنانچہ امریکہ جس پر اس شیطانی نظام کو قائم کرنے کی بنیادی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس وقت کچھ بھی کرنے اور کسی حد تک جانے کے لیے مجبور ہے۔"

(تلخیص عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال ص: ۳۴۳ تا ۳۵۴)

اسی کتاب میں آگے چل کر یہ بات بتائی گئی:

"نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے بعد یہودیت اس خطرناک راہ پر چل پڑی ہے جہاں وہ اب جبر و استبداد کا سہارا لے کر کسی خطے یا ملک میں نہیں بلکہ پوری امت کو بیک وقت ایک مرکز سے

سیکولرائز کرنے کا ارادہ رکھتی ہے.......

یہودیت باوجود سارے جتن کرنے کے اسلام اور مسلمانوں کو سیکولرائز کرنے میں ناکام رہی ہے اور اب اس پر جھنجھلاہٹ بلکہ ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ اس کے قویٰ ٹوٹ رہے ہیں اور وہ پاگل ہو گئی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ہر ہذیانی کیفیت میں مبتلا انسان کی طرح یہ قوم بھی ہیبت ناک سے ہیبت ناک اقدام کر سکتی ہے........

(عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال ص:۳۶۸)

نیا میثاق ناٹو

۲۴ر اپریل ۱۹۹۹ء کو ناٹو (NATO) کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ناٹو نے سوویت یونین کے خاتمے کے بعد ناٹو کے نئے اغراض و مقاصد کا اعلان کیا ہے۔ جس کی بنیادی شق ہے سارے عالم سے دہشت گردی کو ختم کرنا۔ یہ وہی خدشات ہیں جن کا ذکر ظہور دجال سے قبل رونما ہونے والے حادثات کے طور پر کیا گیا۔ یعنی شیطانی نظام ظاہری و باطنی اجارہ داری (Total Monocracy) کے قیام کے بعد پوری روئے زمین سے متوازی نظام، متوازی ممالک، متوازی معاشروں، متوازی گروہ حتی کہ متوازی افراد (Out-law or Terrorist Orders, Countries, Societies, Groups & Individuals) کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ روئے زمین پر ایک ہمہ گیر اجارہ داری (All-pervading & all-comprehesive Monocracy) کا قیام ہو سکے۔

تحدیات سے بے خبری

ان تحدیات (Threats) کے تعلق سے امت مسلمہ میں عوام اور خواص، عامۃ الناس یا اصحاب حل و عقد کس حد تک واقف ہیں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر وہ ان تحدیات (Threats) سے واقف بھی ہیں تو ان کی یہ واقفیت کس درجے کی واقفیت ہے۔ اور یہ کہ کیا وہ ان تحدیات کے تعلق سے واقعی سنجیدہ بھی ہیں یا ان امور کا ذکر محض دفع وقت کے لیے کیا جاتا ہے۔

گزشتہ بیس سالوں سے اسی حقیقت کا موقع بہ موقع اظہار ہوتا رہا ہے کہ امت مسلمہ میں

کیا عوام اور کیا خواص سبھی ان تحدیات سے بالکل ابتدائی واقفیت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ ان کی یہی ناواقفیت تھی جو ان کے لیے ہمیشہ قبل از وقت یا کم از کم بروقت اور موثر اقدامات کرنے سے قاصر رہنے کا سبب بنی۔

اب جبکہ صورت حال ناگفتہ بہ حد تک خراب ہو چکی ہے اور بظاہر صورت حال قابو سے باہر ہو گئی ہے اسی بات کا عندیہ ملتا ہے کہ امت کے عوام و خواص اپنی اپنی جگہ ان خطرات کی کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار حالیہ دنوں میں اس وقت ہوا جب پاکستان نے ۶/ اپریل کو غوری ۱ کا تجربہ کیا۔ ۲۸/ مئی ۱۹۹۸ کو نیوکلیائی دھماکہ کیا اور پھر اپریل ۱۹۹۹ میں غوری II اور شاہین ا کے تجربات کیے۔

عوام کا ذکر تو الگ رہا ماہرین اور خواص نے اس تعلق سے جو کچھ ذکر کیا وہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ (Threat Perception) سے قطعاً واقف نہیں ہیں۔

ہندوستان و پاکستان کو ایک دوسرے کے خلاف نہ نیوکلیائی اسلحوں کی ضرورت ہے نہ ان میزائلوں کی۔ اور یہ بات یہ دونوں ممالک اور یہاں کی باشعور آبادی بخوبی جانتی ہے۔ جب ان دونوں کے لیے ہر دو (Threat Perception) کے دائرے سے باہر ہیں تو لازماً ان تجربات کے تعلق سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ ہمیں بقدر قلیل قابل انحصار مانع (Minimum Credible Deterrent) مطلوب تھا نہ صرف بے معنی ہے بلکہ فریب کن بھی۔ اس سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ امت مسلمہ کے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی امت مسلمہ کے تعلق سے Threat Perception کا ادراک نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے اس کے لیے بقدر قلیل قابل انحصار مانع (Minimum Credible Deterrent) یہ تجربات قطعاً نہیں ہو سکتے۔

یہاں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اختصار کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ امت مسلمہ کے لیے ان بیس سالوں کی بالکل ابتداء یعنی ۱۹۹۹ کی مئی میں مقدار تحدیات (Magnitude of Threats) کیا ہے۔

افسوس اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ امت مسلمہ کے خواص نے اس تعلق سے ہمیشہ غفلت کوتاہی اور بے خبری کا ثبوت دیا۔ امت کو درپیش حقیقی خطرے (Actual Dangers) کی باخبری تو الگ رہی ایسی اطلاعات جو کبھی Classified تھیں لیکن بعد میں عام کر دی گئیں ان

کے تعلق سے بھی کبھی ان کے اندر اس کا احساس پیدا نہیں ہوا کہ امت مسلمہ کو حقیقی طور پر کن خطرات کا سامنا ہے۔ اس کا ادراک حاصل کیا جائے اور ان کے تعلق سے اپنی ذمہ داریاں پوری کی جائیں۔ میں یہاں صرف دو دستاویزات Documents کا حوالہ دینا کافی سمجھتا ہوں جو ۱۹۵۲ اور ۱۹۶۷ میں پوری طرح Declassified کر کے شائع بھی کر دی گئی تھیں اور جسے ہر شخص پڑھ سکتا تھا۔ لیکن پورے عالم اسلامی میں میرے علم کی حد تک کسی ذمہ دار نے ان پر کبھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا ـــــ ان میں پہلی کتاب ہے:

The Year 2000: A Frame - work for Speculation on the Next Thirty Years: by Herman Kahn and Anthony J. Wiener: The Macmillan Company, New York 1967.

اور دوسری جو اس سے ۱۵ سال قبل ۱۹۵۲ میں شائع ہوئی جس کا نام ہے:

The Taming of the Nations: A Study of the Cultural Bases of International Policy: by F.S. Northrop: New York, 1952, The Macmillan Company.

اگر امت کے خواص ـــــ علماء، مدبرین، دانشور، اصحاب حل و عقد اس امت کے تعلق سے ذرا بھی حساس، ذمہ دار اور باخبر ہوتے تو وہ ان جیسی بے شمار کتابوں اور دستاویزات تک ضرور پہنچ جاتے اور ان سے باخبر ہو کر بلا تاخیر نہ صرف یہ کہ امت کو موثر طریقے سے ان خطرات سے آگاہ کرتے بلکہ اس سے نبرد آزما ہونے یا ان کے سد باب کے لیے موثر اور قابل لحاظ کوشش کرتے۔ لیکن پورے عالم اسلامی کا گزشتہ پچاس سالوں میں جائزہ لینے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ ایسی کوئی باخبری کبھی نہیں پائی گئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس تعلق سے کسی درجے کا احساس امت بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ احساس امت تھا۔ عوام الناس میں تھا۔ جسے محض اپنی مقصد برآری کے لیے خواص نے ہمیشہ استعمال کیا چاہے وہ علماء ہوں یا دانشور یا اصحاب حل و عقد۔ اور احساس امت کے نام پر جو چیز رائج رکھی گئی وہ صرف نعرے بازی تھی جس کے پیچھے مجرمانہ بے خبری، لاعلمی، بے حسی اور خود غرضی چھپی ہوئی تھی۔

کسی بھی بڑے سے بڑے اور ہولناک سے ہولناک حادثے اور واقعے کے بعد اس کا التزام نہ

علماء نے کیا نہ دانشوروں نے نہ مسلم حکومتوں نے نہ تعلیمی اور تحقیقی اداروں نے کہ اس ہولناک حادثے کا بھرپور جائزہ لیا جائے تحقیق کی جائے اور اس بات کی تہہ تک پہنچا جائے کہ آخر وہ واقعہ کیوں رونما ہوا وہ حادثہ کیوں پیش آیا۔ اور پھر اسے عامۃ الناس تک لایا جائے تاکہ پوری امت اس کے تعلق سے آئندہ اقدامات کر سکے۔ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ کیا کوئی ایک بھی ایسا تحقیقی کام ہوا۔ کیا کوئی ایک ایسا دستاویزی ثبوت امت کے پاس ہے جس سے اس کی حقیقت عوام تو عوام اخص الخواص کو بھی معلوم ہو۔ قیام اسرائیل (۱۹۴۸) ہوا۔ کیا ایک بھی کوئی ایسی تحقیق امت کے سامنے ہے؟ سقوط بیت المقدس (۱۹۶۷) ہوا کیا ایک بھی جامع تحقیق امت کے سامنے آئی؟ قیام بنگلہ دیش (۱۹۷۱) ہوا۔ کیا ایک بھی جامع تحقیق امت کے سامنے آئی؟ شہادت شاہ فیصل (۱۹۷۵) ہوئی۔ کیا ایک بھی جامع تحقیق امت کے سامنے آئی۔ جنگ خلیج (۱۹۹۱) ہوئی۔ کیا ایک بھی جامع دستاویز سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کی دسترس مغرب کے Classified یا مغرب میں Declassifeid دستاویزات تک نہیں وہ آج دس سالوں بعد یہ بھی نہیں جانتے کہ جنگ خلیج کیسی جنگ تھی؟ اس جنگ میں کیا کیا ہوا؟ کون ہارا؟ کون جیتا؟ کیا Casualties ہوئیں؟ وہ جنگ ختم بھی ہوئی یا نہیں؟ اس کا ہدف کیا تھا؟ کس فریق نے کون سا ہدف حاصل کر لیا؟ امت میں عوام ہی نہیں خواص کی کثیر تعداد بھی اس سے اب تک قطعاً نابلد ہے جبکہ اس جنگ کو ۸ سال سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ قوت قاہرہ جنگ خلیج کی عمودی چھلانگ (Vertical Jump) کے بعد دوسری عمودی چھلانگ (Vertical Jump) لگا کر یوگوسلاویہ میں برسرپیکار ہو چکی ہے۔ (یعنی ناٹو اور سربیا کی لڑائی جو مارچ ۱۹۹۹ میں شروع ہوئی ہے)

امت میں حقیقت سے بے خبری اتنی عام اور راسخ ہو چکی ہے کہ اس نے ایک مخصوص ethos ترتیب دے لیا ہے جو اب مسلم معاشروں کا خاصہ ہو گیا ہے جس میں خواص علماء، دانشور، اصحاب حل و عقد عام طور پر مبتلا ہیں۔ یہ ethos ایک طرح کا جہل مرکب ہے جو راسخ ہے۔ اس جہل نے عام طور پر خواص کو ایک غیر معمولی طمانیت سے لبریز کر دیا ہے۔ کوئی بڑا سے بڑا واقعہ ہونے پر وہ یوں ردعمل کا اظہار کرتے ہیں گویا انہیں حالات سے پوری باخبری ہے جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل ہی بے خبر ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب میں نے امت مسلمہ کے [illegible] یہودی عمودی توازن توڑنے کے لیے تین تجویزیں رکھیں یعنی

(۱) جوہری عسکری قوت یعنی جوہری Deterrent کا حصول

(۲) ترسیلی نظام یعنی بیلسٹک ڈلیوری سسٹم کا حصول و قیام

(۳) بالائی خلا کا مواصلاتی نظام کا قیام

تو بعض خواص نے اس کا مطلب وہ لیا جو کسی Nation State System کے تحت (Minimum Credible Deterrent) کا مطلب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اسے دراصل حالات و واقعات سے صریح لاعلمی اور بے خبری ہی نہیں بلکہ جہل مرکب کا ہی نام دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ گزشتہ ایک سال کے تجربات پر جن احساسات کا اظہار ہو رہا ہے وہ اسی جہل مرکب کے ایک حصہ کے سوا کچھ نہیں۔ ان تجربات کو اگر (Minimum Credible Deterrent) سمجھایا قرار دیا جارہا ہے تو اس سے بڑی بے خبری اور کچھ نہیں ہوسکتی۔

امت مسلمہ کے سامنے جو تحدیات (Threats) ہیں اور جن کے تعلق سے خدشات کا اظہار کیا جارہا ہے اور جو امت مسلمہ کو ۱۹۹۹ کی مئی کے بعد درپیش آنے والی ہیں ان کے سامنے یہ Minimum Credible Deterrent منٹوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔ اس قدر حصول کو Minimum Credible Deterrent کہنا کسی ملک کے لیے قابل لحاظ تو ہوسکتا ہے لیکن امت مسلمہ کے لیے ایسا گمان کرنا فاش غلطی ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ ہوگی کہ کوئی مسلم ملک اپنے کو اس Unipolar World میں Nation State پر قیاس کرنے اس لیے مجھے ڈر ہے کہ ان کامیابیوں پر اس کا احساس کرنا کہ ہم نے Minimum Credible Deterrent حاصل کرلیا ہے۔ اور اس پر مطمئن ہو جانا ایک ایسی لاعلمانہ طمانیت کو جنم دیتا ہے جو خودکشی کے مترادف ہے۔ مجھے اس بات کا خطرہ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ امت میں اصحاب حل و عقد ایک ایسی ہی خودکشی کی طرف بڑھتے نظر آرہے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ پوری قوم کو اس ہلاکت خیز طمانیت کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ جبکہ ہر دو صورت میں ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔

جنگ خلیج روئے ارض پر پہلی نیو کلیائی، حیاتیاتی، کیمیاوی، الیکٹرونی اور خلائی جنگ تھی۔ اب کوئی جنگ اس سے نچلی سطح پر روئے زمین پر لڑی نہیں جاسکتی۔ اب صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ روئے زمین پر ایک ایسی جنگ ہو جو عالمگیر نیو کلیائی، حیاتیاتی، کیمیاوی، الیکٹرونی اور خلائی جنگ ہو۔ ایسی جنگ سالوں نہیں بمشکل مہینوں دور ہے۔ کسی ایسی جنگ کے ہونے او رنہ

ہونے کے امکانات ۸۰ فیصد اور ۲۰ فیصد ہیں۔

آئندہ خطرات

یہاں پہنچ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اب کسی بھی جنگ کے خطرات کیا ہوں گے۔ اس سوال کو دو حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یہ بات تو اب تقریباً طے ہے کہ کسی بھی جنگ میں اقدام کرنے کی اجارہ داری تو اب صرف اور صرف اس شیطانی قوت کو کلی طور پر حاصل ہو گئی ہے۔ لہٰذا ہر جنگ کی ابتداء اب صرف اسی کے اقدام سے ہو گی۔ چنانچہ جب وہ شیطانی قوت کسی پر حملہ آور ہو گی اور ایک جنگ شروع ہو گی تو وہ قوت جس پر حملہ کیا گیا ہو کس طرح جنگ لڑے۔ اس کی دو ہی شکلیں ہیں (۱) اقدامی دفاع (۲) دفاعی مقابلہ۔ جہاں تک دفاعی مقابلہ کا تعلق ہے تو موجودہ صورت حال میں یہ ایک معلوم نتیجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ دفاع کرنے والا بالآخر تباہ و برباد ہو کر اپنی رہی سہی قوت کار (Potential) بھی کھودے گا جس کا مشاہدہ عراق اور سربیا میں ہم کر رہے ہیں۔ الا یہ کہ خود حملہ آور اسے بوجوہ بند کر دے۔ مثلاً صومالیہ میں ــــــ یہ تو حتمی بات ہے کہ کوئی تیسری عالمی جنگ اس وقت تک شروع نہیں ہو سکتی جب تک حملہ آور کے مقابلے میں دفاعی جنگ تک بات محدود رہتی ہے۔ اقدامی مقابلہ کا حوصلہ صرف وہی قوت کر سکتی ہے جو اس کے لیے تیار ہو کہ وہ ایک تیسری عالمی جنگ لڑ سکتی ہے اور جیت سکتی ہے۔ تیسری عالمی جنگ میں ہارنے والے کی ہر چیز کالمعدوم ہو جائے گی۔ بہر حال اس شیطانی قوت کے سامنے تمام انسانیت اور بالخصوص امت مسلمہ دیو اور گہرے سمندر کے مابین آگئی ہے۔

جہاں تک جنگ کے خطرات کا تعلق ہے (اور بالخصوص مابعد عراق و سربیا عہد میں، یعنی جس میں اقوام متحدہ کا وجود غیر اعلان شدہ اختیار سے ختم ہو گیا ہے) تو وہ کیا ہیں۔ اسے دو زاویئے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ پہلے زاویئے سے یہ دیکھا جائے کہ اب تک لڑی جانے والی آخری جنگ یا جنگیں کس معیار تک پہنچ چکی ہیں۔ اور دوسرے زاویئے سے یہ دیکھا جائے کہ آئندہ جنگ موثر طور پر کہاں سے شروع ہو سکتی ہے بطور خاص اقدامی دفاع کی صورت میں۔

اس تعلق سے ایک ہمہ گیر جائزہ لینے کی یہاں قطعاً گنجائش نہیں۔ میں درج ذیل سطروں میں جنگ کے صرف ایک پہلو یعنی اس الیکٹرونی جنگی تعمیرات (Establishments or Facilities) کا ذکر کروں گا۔ جو جنگ خلیج میں فیصلہ کن ثابت ہوئیں۔ اس کا ایک مختصر مگر

قابل لحاظ جائزہ ایک ہندوستانی اسٹریٹیجک اوارو ٹ لیاہے جس کا عنوان ہے۔
Electronic Dedicated Platforms in the Gulf War جو اس ادارو یعنی Institute for Defence Studies and Analysis کے مجلہ Strategic Analysis کے شماروں Vol.XV No II، Vol XV No. 12 اور Vol. XVI No.3 میں شائع ہوا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) Electronic Dedicated Platforms in the Gulf War— Part I —- Electronic warfare (E W) Systems —- by Yashwant Deva Vol XV No.II February 1993.

(2) Electronic Dedicated Platforms in the Gulf War --- Part II ---- Early Warning, Surveillance, Target Attack and Control System by Yashwant Deva, Vol. XV No.12 March 1993.

(3) Electronic Dedicated Platforms in the Gulfwar —- Part III —- Intelligence Gathering Systems —- by Yashwant Deva Vol XVI No.3 June 1993.

پہلے مضمون میں تجزیہ نگار Electronic Warfare (EW) کے مختلف وسائل Prowler, Raven, (Suppression of enemy air defence) SEAD Wild Weasel اور C^3CM کا تفصیلی ذکر کرتا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ:

"Electronic Capture of an early warning radar by EF-IIIA was of greater significance to the outcome of the war than Physical Capture of Hell's Highway. This is what makes the Gulf war different and unique from the earlier ones."

چنانچہ جنگ خلیج میں جو E.W.Platforms نصب کیے گئے تھے وہ درج ذیل ہیں۔

(1) F-4c/ Wild weasel

(2) EA -IIIA / Raven
(3) EA -6B / Prowler
(4) EC -130H / Compass Call
(5) EH- 60A / Helicopters

دوسرے مضمون میں تجزیہ نگار Early Warning, Surveillance, Target Attack & Control System کے مختلف وسائل Airborne Early Warning, J-Stars, Early Warning Satellites کا تفصیلی ذکر کرتا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے:

Foreword to Jane's Battlefeild Surveillance Systems 1990 - 91 is an apt Summing up to this part of our discussion on electronic platform in the Gulf war viz. "It is clear that even in an area of peace, all nations an especially small ones, will need to maintain the widest range of Surveillance System, if they are to retain their independence." There is no gain saying the need to match a defence acquisition policy to a realistic threat driven national security agenda. And to this end, the option is limited to providing a platform - based early warning and control capability to the defence service, its high cost nonwithstanding.

چنانچہ جنگ خلیج میں Early Warning(EW) کے تعلق سے جو پلیٹ فارم نصب کیے گئے تھے وہ درج ذیل ہیں:

(1) E-2C / Hawkeye
(2) E-3A / 3C / Sentry
(3) E-18C / E-8A / J-Stars

(4) DSP

تیسرے مضمون میں تجزیہ نگار Intelligence Gathering System (EGS) کے تین عملی گروہوں Human Intelligence (HUMINT)، Signal Intelligence(SIGNIT) اور Image Intelligence (IMINT) کے وسائل کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے:

"Platform - borne intelligence systems can create asymmetries in the Third World Countries, the effect of which can be highly destabilizing. Today, the West, particularly the US, has a monopoly of advanced electronic systems that can be exploited to decide as to which country can have access to information. This tantamounts to creation of not technology denial regimes, but also, a network of selectively applied, informations filters. That it would have serious implications on the security of the target countries is but obvious."

چنانچہ جنگ خلیج میں اس تعلق سے جو پلیٹ فارم نصب کیے گئے تھے وہ درج ذیل ہیں:

(1) TR-1A
(2) RF-4C — 4E
(3) RF - 5E Tigereye
(4) RC - 135V / W / Rivet Joint
(5) RC - 135 S / Cobra Ball
(6) OV- ID / RV - ID
(7) OV - 10D
(8) Mirage F1 - CR
(9) Tornado GR - I

(10) Pioneer
(11) Pointer
(12) BQM 147 A / Exdrome
(13) MART
(14) AN / USD - 501 / (CL-89)
(15) KH - 11
(16) Lacrosse

خلائی خطرے

جہاں تک دوسرے زاویے سے دیکھنے کی بات ہے کہ آئندہ جنگ موثر طور پر کہاں سے شروع ہو سکتی ہے بطور خاص اس صورت میں کہ اس حملے کا جواب اقدامی مقابلہ سے دیا جائے۔

اس زاویے سے بھی اس مختصر سے رسالے میں اس کی گنجائش نہیں کہ نیوکلیائی اسلحوں (Nuclear Weapons)، اسٹریٹیجک اسلحوں (Strategic Weapons)، کیمیاوی اسلحوں (Chemical Weapons) یا جراثیمی اسلحوں (Bacteriological Weapons) کو سرے سے زیر بحث بھی لایا جائے۔ لہٰذا اس تناظر میں صرف اس اسلحے کی توسیع کا ذکر کرنا کافی ہوگا جس کا ابھی ہم نے تذکرہ کیا ہے اور جو وسیع پیمانے پر جنگ خلیج میں استعمال ہو چکے ہیں۔ یعنی الیکٹرونی اور خلائی اسلحے (Electronic & Space Weapons) مزید ازیں اس تعلق سے صرف ایک کیمیاوی اسلحے کا ذکر ہو گا۔

ہم لوگوں نے ابھی ابھی دیکھا کہ کس طرح

(1) The Treaty on Principles Governing the Activities of States in the Exploration and Use of Outer Space, Including the Moon and Other Celestial Bodies - October 1967.

(2) The Treaty Banning Nuclear Weapon Tests in the Atmosphere in Outer Space and Under Water - August 1963.

(3) The Convention On the Prohibition of

Military or Any Other Hostile Use of Environmental Modification Techniques - 1977.

(4) The Soveit - US Treaty on the Limitation of Anti-Ballistic Missile Systems - 1972.

کے باوجود جنگ خلیج میں ان میں سے ہر ایک معاہدے کی جزوی یا کلی خلاف ورزی کی گئی۔ اور ان وسائل کا بھرپور استعمال کیا گیا۔

یہ بات بہت واضح ہے اگر کسی قوت پر حملہ کیا گیا اور اس قوت نے دفاعی مقابلہ کے بجائے اقدامی دفاع کیا تو امریکہ بالائی خلا کا سب سے بھرپور استعمال کرے گا۔ دفاعی ماہرین محسوس کرتے ہیں کہ اگلی جنگ میں ICBM اور Mass Destruction کے نیوکلیائی اسلحوں کے استعمال کے امکانات جتنے کم ہوگئے ہیں Intermediate Ballistic Missile اور Sub-Kilo جوہری اسلحوں، کیمیاوی اسلحوں، جراثیمی اسلحوں کے استعمال کے امکانات اتنے ہی بڑھ گئے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جس کے استعمال کے امکانات میں اضافہ ہوگا وہ الیکٹرونی اور خلائی اسلحے (Electronic & Space Weapons) ہیں۔

چنانچہ جس کا اس وقت ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ یعنی Serbia پر ناٹو (NATO) کا حملہ اور جنگ خلیج میں ہونے والی جنگ Desert Storm پر ایک عمودی اضافہ (Vertical advance) ہے۔ ابھی اس عہد کی سب سے اعلیٰ ترین تکنیکی، الیکٹرونی اور خلائی جنگ یوگوسلاویہ کے محاذ پر لڑی جارہی ہے۔ ہر چند کے اس کی نوعیت دفاعی مقابلہ سے ابھی تک آگے نہیں بڑھی ہے۔ (۲۶؍اپریل ۱۹۹۹)۔

اگر عالم اسلام پر اگلا حملہ کیا گیا اور یک طرفہ طور پر عالم اسلام اسے بڑی قیمت دیکر بھی ٹالنا چاہے تو وہ اسے ٹال نہیں سکتا۔ اس لیے کہ حملہ کرنے یا جنگ کرنے کی کلی اجارہ داری اس وقت صرف مغرب کو حاصل ہے۔ اور عالم اسلام ابھی تک میری ناقص رائے میں Minimum Credible Deterrent حاصل نہیں کر سکا ہے۔ اس لیے عالم اسلام کسی ایسے حملے کو یک طرفہ طور پر ٹالنے میں قطعاً بے بس ہے۔ اور مغرب کسی قوت کو اس Minimum Credible Deterrent کو حاصل کرنے کی مہلت دے نا ممکن ہے اس لیے کہ یہ اس کی

خودکشی کے مترادف ہو گا۔ اس لیے وہ اسے مہینوں سے زیادہ نہیں ٹال سکتا۔

چنانچہ اس کا غالب اندیشہ ہے کہ کوئی ایسا حملہ چند ہی مہینوں میں ہو۔ اور ظاہری طور پر اس کی ساری تیاریاں مکمل ہوتی نظر آتی ہیں۔ دقت نظر سے غور کیا جائے تو اگلا فلیش پوائنٹ (Flash Point) مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس ہی ہو گا۔ اور ظاہر ہے اس کے بعد جو جنگ شروع ہو گی وہ ایک مکمل جنگ ہو گی جسے بلا شک وشبہ تیسری عالمی جنگ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے سلسلہ وار رد عمل (Chain Reaction) پر کسی کو قابو نہیں ہو گا۔ اور ابتداءً بھڑکنے والی جنگ بالآخر تیسری عالمگیر جنگ کی شکل اختیار کر لے گی۔ اور جب ایسا ہو گا (بھڑکنے کے بعد زیادہ سے زیادہ دو مہینوں میں بلکہ اس سے بھی کم میں یہ صورت نمودار ہو جائے گی۔) تو پھر جنگ اقدامی وقائع سے بڑھ کر کچھ اور ہو جائے گی۔

کلی انفجار

چنانچہ اہل نظر واقف ہیں کہ اس وقت سربیا اور ناٹو (NATO) کی لڑائی کا پس منظر بالکل وہ نہیں ہے جو بتایا یا دکھایا جا رہا ہے۔

بلاشبہ بظاہر یہ سربیا کے کوسوو کے مسلمانوں پر مظالم، ان کا قتل عام کرنے، بے گھر کرنے اور انہیں داخلی خود مختاری سے محروم کر دینے سے موسوم ہے لیکن یہ تو وہ مسائل ہیں جسے خود مغربی ممالک نے کرید کر زخم کی صورت دی ہیں جن کے دامن میں وہ اپنے اصلی مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں۔ جنگ بلقان کی موجودہ صورت حال کے لیے تین باتیں جاننا ضروری ہیں۔

(۱) اس کا مقصد اصلی کیا ہے؟

(۲) اس مقصد کی تکمیل کے لیے کیا کیا جا رہا ہے؟

(۳) اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

اس کے مقصد اصلی کا کوسوو کے مظلوم مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہودی یہ باور کر چکے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں ایک کلی انفجار (Total Blast) ہونے والا ہے۔ خواہ اسے یہودی یک طرفہ اور اقدامی طور پر کریں یا فلسطینیوں کے کسی اقدام کا بہانہ لے کر کریں بہر حال اس کلی انفجار کا روبہ عمل لانا اب یہودیوں کی پہلی ترجیح ہے۔ اور اس کلی انفجار کا لازمی نتیجہ جنگ ہے جس میں اسرائیل کو سارے عالم اسلام پر فتح پانے کی کوشش کرنی ہے۔ اس فلیش پوائنٹ کی تیاریاں

پچھلے ۳۰ سالوں سے چل رہی تھیں۔ اسی کے تحت امریکی فوجی اڈا فلپائن سے بحیرۂ عرب میں لایا گیا ہے۔ اسی کی موجودہ صورت سعودی عرب، کویت، مصر، بحرین، قطر، عرب امارات، عمان، یمن، صومالیہ اور دیگر افریقی ملکوں میں روز افزوں امریکی فوجی تجمع ہے۔ اگر یمن نے امریکہ کی بات مان لی تو باضابطہ طور پر فلپائن کا مستقر یمن منتقل ہو کر سقوطرہ میں قائم ہو جائے گا۔ (۲۶ اپریل ۱۹۹۹ کو جنرل زنی (Gen. Zinnei) کا دورۂ یمن اسی کو آخری شکل دینے کی ایک کوشش ہے)۔ سی ایسی جنگ کے لیے اتنا ہونا کافی نہیں لہٰذا اس کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ فلیش پوائنٹ کے شمالی مغرب میں یہودی قوت مزید آگے آجائے تاکہ وہ Closer Operation Range میں مورچہ بند ہو جائے۔ مغرب کی موجودہ حالت کو دو صورتوں سے پورا کیا گیا۔ پہلی صورت کی تکمیل ناٹو NATO کے دائرے میں وارسا پیکٹ کے ملکوں کو شامل کر کے ہوئی۔ حتیٰ کہ اس کے لیے روس کو بھی دعوت دی گئی۔ دوسری صورت کی تکمیل کی ضرورت یہ تھی کہ اب تک جرمنی میں متعین فوجی مستقر مزید مشرق کی طرف بڑھ کر فلیش پوائنٹ کے بالکل قریب آجائے۔ ایسا کرنا ناممکن تھا۔ جب تک اس عظیم عسکری Establishment کو آگے بڑھالانے کے لیے معقول جواز پیدا نہ کیا جاتا۔ چنانچہ وہ معقول جواز کوسووو کے زخم کو کرید کر کیا گیا۔ اس طرح مغرب نے اپنی اعلیٰ ترین عسکری مشنری کو اب بیت المقدس کے فلیش پوائنٹ کے بالکل قریب کر لیا ہے۔

دراصل اس پوری کاروائی کا مقصد یروشلم محاذ (Jerosalem Theatre) تیار کرنا ہے اس عالمگیر جنگ کے لیے جس کے بارود میں یہودی اب آگ ڈالنے والے ہیں۔

اس ذیل میں دو مقاصد کی تکمیل کی جارہی ہے۔ یروشلم محاذ کی تیاری کی صورت میں اور اس کے استعمال کے موقع پر مغرب کو دو Potential Dangers کا سامنا تھا۔

پہلے Potential Danger ہیں عیسائی۔ اور دوسرے Potential Danger ہیں یوروپ میں مسلمان۔

عیسائیوں سے ان کو دو خطرے ہیں۔ پہلا خطرہ یہ ہے کہ اب وہ مغرب کا ساتھ نہیں دیں گے اور ایسا کر کے (Strategic & Logistic) مسائل پیدا کریں گے۔ خواہ وہ رومن کیتھولک ہوں یا آرتھوڈوکس چرچ (روسی آرتھوڈوکس چرچ، گریک آرتھوڈوکس چرچ، (سلاؤ) آرتھوڈوکس چرچ، آرمینین آرتھوڈوکس چرچ)۔ عیسائیوں سے دوسرا خطرہ بہت غیر معمولی اور

سنگین ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی عام غفلت، بے توجہی، لاعلمی اور کوتاہی کے باوجود گزشتہ ۱۵۰ سالوں سے عیسائی دینیات اور دینی عقیدے میں انقلاب آگیا ہے اور وہ قرآن، احادیث مبارکہ، آنحضور ﷺ دین اسلام اور امت مسلمہ سے بہت قریب آچکے ہیں۔ یہ صرف اور صرف ہمارے علماء، دانشور اور اصحاب حل وعقد کے جہل مرکب اور شامت اعمال کا نتیجہ ہے کہ وہ میلوں چل کر دروازے پر کھڑے ہیں اور ہمیں اپنا دروازہ کھولنے کی توفیق تک نہیں ہو رہی ہے۔ اور وہ اسلام کے دروازے تک آگئے ایسا ہماری وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف وہ محبت اور خلوص ہے جو اصل عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت مریم عفیفہ علیہا السلام سے رہی ہے۔ ان دونوں کی محبت اور ان سے خلوص نے انہیں تحقیق کی ان منزلوں میں پہنچایا جہاں وہ قرآن، احادیث مبارکہ اور اسلام کے قریب آگئے۔ اب وہ دن دور نہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور سارا کا سارا عالم عیسائیت اسلام کی آغوش میں آجائے گا۔ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے اور یقیناً وہ بات پوری ہو کر رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام صلیب کو توڑ دیں گے، اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

یہودی خوب سمجھ چکے ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو سارے آرتھوڈوکس عیسائی ملت اسلامیہ کا حصہ ہو جائیں گے اور ان کا علاقہ دشمن علاقہ (Hostile Land) میں بدل جائے گا۔ لہٰذا اس کی شدید ضرورت تھی کہ آرتھوڈوکس عیسائیوں کے پورے علاقے پر یا تو ان کا قبضہ ہو جائے یا وہ (Potential Danger) کے مقامات تباہ و برباد ہو جائیں۔ چنانچہ مغربی یوروپ سے مغربی قوت ایک طرف تو آرتھوڈوکس چرچ کے علاقے (اٹلی، یونان، یوگوسلاویہ) میں منتقل ہو گئی اور دوسری طرف سربیا کے Potentials کو تباہ و برباد کردینے کی کوشش ہو رہی ہے۔

اس علاقے کے دوسرے Potential Danger مسلمان اور ان کی بڑی آبادیاں ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے گزشتہ ۱۲ سالوں سے طرح طرح کے بہانوں سے انہیں بے خانماں بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پہلے متحدہ یوگوسلاویہ میں ان کا قتل عام کروایا گیا پھر رومانیہ اور بلغاریہ میں انہیں قتل کروایا گیا۔ البانیہ سے Mass Exodus کروایا گیا اس کے بعد بوسنیا اور ہرزے گووینا، کروشیا، اور سربیا میں قتل عام کروایا گیا اور اب پورے سربیا سے بشمول کوسووا انہیں جانوروں کی طرح ہانک کر مختلف علاقوں میں بکھیر دیا جا رہا ہے۔ اس طرح یروشلم محاذ کا مغربی حصہ دونوں Potential Dangers یعنی آرتھوڈوکس عیسائیوں اور مسلمانوں کے اعتبار سے بے

حقیقت ہو کر محفوظ ہو جائے۔ اس طرح جلد از جلد ایک ایسا پروگرام محاذ ترتیب دینا ہے جو اس کلی انجبار کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اب یہ تیاری پوری طرح مکمل ہو چکی ہے۔ (۲۰ را پریل ۱۹۹۹)۔ لہٰذا کلی انجبار کی کاروائی کا فیصلہ تقریباً لے لیا گیا ہے جسے ناٹو کانفرنس کا اعلامیہ کہتے ہیں۔ (۲۵ را پریل ۱۹۹۹)

چنانچہ ہم پھر اس بحث کی طرف واپس آتے ہیں۔ جہاں ہم اس بات کا جائزہ لے رہے تھے کہ دوسرے زاویئے سے اقدامی دفاع جنگ کی صورت میں کیا تبدیلی پیدا کرے گا۔ چنانچہ اس صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ مغرب بالائی خلا کا استعمال کرتے ہوئے ایک اعلیٰ اور پیچیدہ الیکٹرونی اور خلائی جنگ کرے گا۔ چنانچہ اس تعلق سے امت مسلمہ کو کم از کم سات اسلحوں (مہلکات) کا سامنا کرنا ہوگا۔

یہیں یہ بات عرض کردوں کہ اگر امت مسلمہ کسی جنگ کو ٹالنا بھی چاہے تو اس کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ ایک ایسا Minimum Credible Deterrent حاصل کرے جو معروف معنوں میں Star-war کے اعتبار سے Deterrent ہو۔ اس فنے کم کی کوئی صورت میری ناقص رائے میں معتبر اور موثر نہیں ہوگی۔ یہ بات دو اور دو چار کی طرح معلوم رہنی چاہئے کہ اس وقت دنیا میں صرف یہودیوں کو وہ مقام حاصل ہے جسے (Absolute Position in World Supremacy) کہتے ہیں۔ اور اس تعلق سے یہودیوں نے مندرجہ ذیل چھ Systems وضع کیے ہیں۔

(۱) سینٹ انٹر سیپٹر سیٹیلائٹ (SAINT Interceptor Satellite) یہ ایک Maneuverable Space Apparatus ہے اس تعلق سے ساٹھ کی دہائی میں دو زمینی اینٹی سیٹیلائٹ سسٹم نصب کیے گئے تھے۔ ۱۹۶۳ میں کواجالین جزیرہ (Kwajaleen Island) میں نائیک زیوس اینٹی بیلسٹک میزائل (Nike-Zeus Anti Ballistic Missiles) پر اور دوسرا جانسٹن جزیرہ (Johnston Island) میں تھور میزائل (Thor Missiles) پر۔ بعد میں یہ سسٹم (Airborne anti-Satellite System (ASAT) میں بدل گیا جو F-15 فائٹر ہوائی جہازوں میں نصب کیا گیا۔

(۲) شٹل اسپیس شپ پروگرام (Shuttle Spaceship Programme) یہ پروگرام جس میں (Pentagon orbital Command Posts) اور طرح طرح کے

(۲) اسپیس ویپن (Space Weapons) شامل ہیں ابتداء Vandenberg Air Force Base سے شروع کیا گیا اور اب بے حد آگے جا چکا ہے۔ واضح ہو کہ جنگ خلیج کے بعد بعض ذرائع کی اطلاع کے مطابق ظہران اور ربع الخالی کے لق ودق صحرا میں عظیم ہوائی پٹیاں شاید اسی طرح کے اسپیس شٹلز (Space Shuttles) کے لیے تیار کی گئی ہیں جن پر مغربی قابض ہیں۔

(۳) ڈائرکٹڈ انرجی اسلحے (Directed Energy Weapons) یہ لیزر اور چارجڈ۔پارٹیکل بیم (Laser and Charged Particle Beam) اسلحے ہیں۔ ان اسلحوں میں بعض کا استعمال جنگ خلیج اور اسکے بعد کے ادوار میں اور اب سربیا میں بھی ہو رہا ہے۔

(۴) اینٹی بیلسٹک میزائیل سسٹم (Anti- Ballistic Missile System) یہ دراصل یہودیوں کو First Strike Capability دینے والا ایک سسٹم ہے یہ سسٹم خلائی جنگ کے تعلق سے ہر معاہدے کی دھجی بکھیر چکا ہے اور اب ان معاہدوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

(۵) اسپیس کمانڈ (Space Command) یہودیوں نے نظام شمسی کے کم از کم چار سیاروں —— زمین، عطارد، مریخ اور زہرہ —— اور چاند (Earth, Mercury, Mars & Venus — & Moon) اور زمین پر بری، بحری، فضائی افواج کا ایک متحدہ کمانڈ قائم کرلیا ہے۔ اس تعلق سے تازہ ترین کوشش اس اسپیس کمانڈ کمپلیکس (Space Command Complex) کی تعمیر کا شروع ہونا ہے جو ۱۹۹۸ سے خلا میں شروع کردی گئی ہے اور ۲۰۰۴ تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ اس کمانڈ کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی یہودیوں کا اینٹی سیٹیلائٹ (Anti Satellite System) مکمل ہو جائے گا۔

مضمرات ومہلکات

۲۵ راپریل ۱۹۹۹ کو واشنگٹن میں ناٹو کانفرنس میں منظور کیے جانے والے نئے میثاق ناٹو میں مذکور New Strategic Concept کیا ہے اور اس کے مضمرات کیا ہوں گے؟ یہ نیا میثاق اپنے وعدے کے مطابق آنے والے پچاس سالوں کے لیے (Advance Security and Freedom) کو یقینی بنانے کی بات کرتا ہے جس کے تعلق سے آئندہ پانچ سالوں میں اس کی ضروری تیاری مکمل کرلی جائے گی۔ اس میثاق کے تحت ناٹو کی نئی ذمہ داریاں ہوں گی۔

"To Confront Crises beyond their borders,

protection from terrorism and weapons of mass destruction."

اس خصوصی ترکیب سے بیان کیے جانے والے میثاق کا سیدھا مطلب ہے۔

(۱) اسلام، دہشت گردی ہے۔

(۲) مسلمان دہشت گرد ہیں۔

(۳) اسلام پر چلنے والی حکومتیں دہشت گرد حکومتیں ہیں۔

(۴) اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں اجتماعیات دہشت گرد گروہ ہیں۔

(۵) امت مسلمہ کے ذریعہ نیوکلیائی اور دیگر اسلحوں کی بازیافت اعلیٰ ترین دہشت گردی ہے

لہٰذا ــــ ان تمام کا قلع قمع کیا جانا ناٹو کی اگلی ذمہ داریاں ہیں۔

ظاہر ہے اس کا مطلب قانونی اصطلاح میں ہوتا ہے:

(۱) دہشت گرد نظام کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist System)

(۲) دہشت گرد ملکوں کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist Countries)

(۳) دہشت گرد معاشروں کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist Societies)

(۴) دہشت گرد گروہوں کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist Groups & Outfits)

(۵) دہشت گرد شخصیات کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist Personalities)

(۶) دہشت گرد افراد کا خاتمہ (Liquidation of outlaw or terrorist individuals)

یہاں شخصیات سے مراد وہ نمایاں لوگ ہیں جو اسلام کے نفاذ میں نمایاں اور سرگرم ہیں خواہ ان کا تعلق علماء سے ہو یا دانشوروں سے، مشائخ سے ہو یا مجاہدین سے۔

اس میثاق کی ایک بات حد درجہ خطرناک ہے اور وہ بات ہے: Beyond their Borders یعنی ان کی سرحدوں سے پرے۔

ناٹو کے ذریعہ ان کے الفاظ میں تحفظ اور آزادی کو فروغ دینے کے لیے ان کی سرحدوں سے دور دہشت گردی اور عام ہلاکت کے ہتھیاروں کا خاتمہ کرنے کا صریح مطلب ہے پوری امت مسلمہ، ان کے مضبوط ملکوں، شخصیات اور تمام دین پسند افراد کا کھلے عام شکار کر کے (Hunt)ان کا خاتمہ کرنا۔

اس شکار کی ابتداء کیا ہوگی اور اس کی آخری صورت کس طرح سامنے آئے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام دہشت گرد ملکوں کا حال ابتداءً وہی ہوگا جو موجودہ عراق کا ہو رہا ہے۔ اور تمام دہشت گرد سوسائٹیوں کا وہی ہوگا جو مصر میں اخوان کا ہوتا تھا۔ تمام دہشت گرد شخصیات کا وہی حال ہوگا جو بن لادن جیسے لوگوں کا ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ ہر فرد مومن جو اسلام کے کسی حکم پر عمل کر رہا ہوگا وہ دہشت گرد قرار پائے گا اور اسلام کا ہر عمل خواہ وہ صلوٰۃ ہو یا صوم، زکوٰۃ ہو یا حج دہشت گردی قرار پائے گا، مساجد، مدارس بند کر دیئے جائیں گے۔ زکوٰۃ اور صوم پر پابندی عائد ہو جائے گی، حج ممنوع قرار پائے گا۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوگی بلکہ ان عبادات کو چھپ کر اور انفرادی طور پر ادا کرنا بھی دہشت گردی تصور کیا جائے گا۔ وہ شیطانی قوت جو اب پوری دنیا کو اپنی ہتھیلی کی طرح بیک نظر دیکھ رہی ہے اس کے جاسوسی سیارے پل پل کی خبر دیں گے کہ کہاں کس غار اور وادی میں اللہ کا کون بندہ نمازیں پڑھ رہا ہے۔ اور ادھر اس نے نماز کی نیت باندھی ادھر اس پر دنیا کے دوسرے کونے سے یا اس کے آس پاس سے کوئی میزائل اس پر مارا جائے گا اور لوگ ہلاک ہونا شروع ہوں گے۔ یہی وہ کیفیت ہوگی کہ لوگ اسلام کے ایک ایک عمل کو ترک کرنا شروع کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اس کا انکار کر دیں گے۔ شاید اسی حالت کے بارے میں فرمایا گیا:

بادروا بالاعمال فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومنا ویمسی کافرا ویمسی مومنا ویصبح کافرا یبیع دینہ بعرض من الدنیا۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ: ان فتنوں کے لیے ابھی عمل کر لو جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے جن میں ایک شخص صبح کو مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن صبح کو کافر ہو جائے گا، وہ اپنے دین کو دنیا کے معمولی سامان کے عوض بیچ دے گا۔

یقیناً ایسے ہی عالم میں کوئی اللہ کا بندہ اگر اللہ کی عبادت کو ترجیح دے گا تو گویا اپنی موت کو دعوت دے گا۔ ایسی حالت میں عبادت کرنا آنحضور ﷺ کی طرف ہجرت کے برابر ہوگا۔ آپ

ﷺ نے فرمایا:

العبادة فی الهرج کهجرة الیّ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: کھلی موت و غارت گری کی حالت میں عبادت میری طرف ہجرت کی طرح ہے۔
اس صورت حال کی کھول کر وضاحت کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی فتنة الدهیماء (کالا اندھیرا فتنہ) ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

"ثم فتنة الدهیماء لا تدع احدا من هذه الامة الالطمته لطمة فاذا قیل انقضت تمادت یصبح الرجل فیها مومنا ویمسی کافرا حتی یصیر الناس الی فسطاطین فسطاط ایمان لا نفاق فیه وفسطاط نفاق لا ایمان فیه فاذا کا ن ذلک فانتظروا الدجال من یومه او من غده۔

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: پھر اس کے بعد کالا فتنہ واقع ہوگا۔ امت میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کے طمانچوں سے بچ پائے گے۔ یہ فتنہ وسیع تر ہوتا جائے گا یہاں تک کہ اس میں صبح کو ایک شخص مومن ہوگا اور شام کو کافر حتیٰ کہ لوگ دو خیموں میں بٹ جائیں گے۔ ایمان کے خیمے میں نفاق نہیں ہوگا اور نفاق کے خیمے میں ایمان (دونوں خیمے بظاہر مسلمانوں کے ہوں گے) پس جب ایسا ہو جائے تو دجال کا انتظار کرو وہ کسی گھڑی آج یا کل میں ظاہر ہو جائے گا۔

چنانچہ آئندہ ہونے والی یہ جنگ دجال کے ظہور کا راستہ صاف کرنے کے لیے ہوگی۔ اور اس کا ایک فریق لازماً امت مسلمہ ہوگی۔

ترجیحات

ایسی صورت میں دو سوالات سامنے آتے ہیں۔ پہلا سوال: کیا کسی ایسی جنگ کو ٹالا جا سکتا ہے؟ اگر ہاں تو کیسے؟ دوسرا سوال: اگر نہیں تو پھر کیا کیا جانا چاہیے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو ایسی جنگ طویل عرصے تک قطعاً ٹالی نہیں جا سکتی ہے۔ ایسا خیال صرف اور صرف خواب ہو سکتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ قلیل عرصے کے لیے ٹالی جا سکتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب ہے کہ ایسا ممکن ہے۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب پوری امت مسلمہ اس حقیقی خطرے (Actual Dangers) کو شعوری طور پر

متعین (Identify) کرے اور اس کے لیے بلا تاخیر Minimum Credible Deterrent حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس کے لیے سالوں کا موقع نہیں بلکہ صرف مہینوں کی مہلت ہے۔

اب جہاں تک دوسرے سوال کی بات ہے تو اصل حقیقت یہ ہے کہ امت کو اس موج خون سے گزرنا ہی ہے۔ اس کے پاس کوئی Choice نہیں۔ لہٰذا اب دیکھنے کی صرف ایک بات رہتی ہے کہ جب ایسا ہونا ہی ہے تو پھر امت اس کا کس تدبیر سے سامنا کرے۔
اس تعلق سے سب سے قبل کسی ایسے ذرائع سے جس کے کسی بھی اعتبار سے مشکوک یا غلط ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا یہ معلوم کیا جائے کہ امت مسلمہ کی منصبی حیثیت مستقبل میں کیا ہو سکتی ہے؟

اس معلومات سے ہی اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امت مسلمہ کو اپنی منصبی حیثیت کی بقا کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایسا قابل اعتماد ذریعہ صرف الہدیٰ یعنی قرآن اور آنحضور ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ چنانچہ امت مسلمہ کے مستقبل میں منصبی حیثیت کے تعلق سے قرآن نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱) وکذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء على الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا۔ (البقرۃ:۱۴۳)
ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت واسطہ بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسولؐ تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

اس سے یہ بات متعین ہوتی ہے کہ یہ امت امت وسط ہے اور اس کا فرض منصبی ہے کہ یہ شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دے۔

(۲) کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله۔ (آل عمران:۱۱۰)
ترجمہ: تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم معروف کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اس سے یہ بات متعین ہوتی ہے کہ اس امت کے فرض منصبی میں یہ داخل ہے کہ پوری نوع انسانی میں مثبت، ایجابی، اقدامی طور پر اپنا فرض منصبی ادا کرے۔

(۳)فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علیٰ هولاء شهیدا۔
(النساء:۴۱)

ترجمہ: پس کیسے ہوگا جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ لے آئیں گے، اور تمہیں ان گواہوں پر گواہ بنادیں گے۔

اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری اس وقت تک عائد رہے گی جب تک یوم حساب میں اس کی شہادت پیش نہ ہو۔ چنانچہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے تک اگر ایک بھی مومن روئے ارض پر موجود ہے تو یہ اس کی منصبی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہادت دے۔ اور اس تعلق سے اس کے آخری درجے تک جانے کی ذمہ داری علی حالہ برقرار رہتی ہے۔ وہ آخری اور اعلیٰ ترین درجہ ہے ــــــ جہاد بالسیف ــــــ چنانچہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الجهاد ماض مذ بعثنی إلی ان یقاتل آخر امتی الدجال، لا یبطله جور جائر وعدل عادل۔

ترجمہ: اللہ نے جب سے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس وقت سے لے کر اس آخری امتی تک جو دجال سے قتال کرے گا جہاد جاری رہے گا کسی (کا ظالم) کا جور اسے باطل کرے گا نہ کسی عادل کا عدل۔

آنحضور ﷺ نے مزید فرمایا:

لن یبرح هذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ: یہ دین قائم رہے گا اور مسلمانوں کا ایک گروہ اس کے لیے جہاد کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل آخرهم المسیح الدجال۔
(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرے گا اور جو اس سے دشمنی کریں گے اس پر غالب آئے گا۔ یہاں تک کہ وہ آخری گروہ بھی ہوگا جو مسیح دجال کے خلاف جہاد کرے گا۔

آنحضور ﷺ نے روئے زمین پر اقامت دین فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔

اليوم يئس الذين كفروا من دينكم فلا تخشوهم واخشون اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔
(المائدہ:۳)

ترجمہ: آج کفار تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں تو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تمہارے اوپر تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔

چنانچہ پوری امت کا یہ فرض منصبی قرار پایا کہ وہ آنحضور ﷺ کے بعد اس اقامت کو قائم و دائم رکھے۔ چنانچہ اس ذمہ داری کو آخری درجے تک کی ادائیگی کرنے کے لیے پوری امت کو منضبط رہنے اور اس اقامت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے تیار رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شئ في سبيل الله يوف اليكم وانتم لا تظلمون۔ (الانفال:۶۰)

ترجمہ: ان کے مقابلہ میں جتنی قوت فراہم کر سکتے ہو کرو، اور وہ گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کیے رکھو ان کے علاوہ ان دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے اور جو کچھ بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تم پر کوئی زیادتی نہ ہو گی۔

اور جب آنحضور ﷺ کو رفیق اعلیٰ سے جاملنا ہوا تو آپ ﷺ نے اس انضباط کو قائم رکھنے کا حکم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔

(رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: جس نے ایک بالشت بھی جماعت چھوڑی اس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق نکال پھینکا۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية۔

ترجمہ: جو ایک بالشت بھی اسلامی اقتدار اعلیٰ سے باہر نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

چنانچہ ان آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح اور متعین ہو جاتی ہے کہ امت مسلمہ جس منصبی ذمہ داری پر الحمدللہ فائز کی گئی ہے قیامت تک کسی بھی صورت حال میں اس میں شمہ کے برابر بھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اب یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس خط مستقیم کے علاوہ کسی اور لائن پر امت کے لیے غور کرنا سرے سے خارج از بحث ہے۔

تدابیر و تعمیل

اب جب کہ یہ بات ہمیشہ کے لیے متعین ہو گئی کہ امت نہ اس فرض منصبی کو چھوڑ سکتی ہے نہ جہاد بالسیف اس پر ایک لمحے کے لیے بھی ساقط ہو سکتا ہے تو پھر اب دیکھنا چاہئے کہ موجودہ اور آئندہ کے تناظر میں اس جہاد کے تعلق سے کیا کیا جانا چاہئے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے بعد قیامت تک آنے والے زمانوں اور ادوار کی تعیین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان هذا الامر بداء نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم ملكا عضوضا ثم كائن جبرية وعتوا وفسادا في الارض إلى آخر الحديث.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: اس دین کی ابتداء نبوت ورحمت سے ہوئی پھر خلافت ورحمۃ کا زمانہ آئے گا، پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت کا، پھر جبر کے نظام کا پھر ظلم کے نظام پھر فساد فی الارض کے نظام کا۔

یہ بات پچھلی کتابوں میں زیر بحث آچکی ہے کہ ۱۹۲۴ میں اعتباری خلافت کے انہدام سے روئے زمین پر ایک اندازے کے مطابق ملکاً جبریۃ کا دور اور دوسرے اندازے کے مطابق عتواً کا دور ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد فساد فی الارض کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ فساد فی الارض کا دور اس وقت تک ممتد ہو گا جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف نہ لے آئیں۔ دجال کے ظہور سے پہلے اس کی آخری تیاریوں کا دور پھر اس کے ظہور کا دور پھر اس کے مظالم کا دور سب شامل ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کر کے نبوۃ ورحمۃ کا دور قائم فرمائیں گے۔ ممکن ہے بعض دوسرے اندازوں سے یہ بات کہی جائے کہ ۱۹۲۴ میں خلافت کے اعتباری خاتمے سے ختم ہونے والا دراصل ملکاً جبریۃ کا دور ہے اور اس کے بعد عتو کا دور چل رہا ہے اور یہ کہ ابھی فساد فی الارض کا دور شروع نہیں ہوا۔ تو اس کے مطابق صورت حال میں، صرف یہ تبدیلی ہوگی کہ ظہور دجال کا زمانہ کچھ اور دور چلا جائے گا۔ لیکن اس

عاجز نے جو اندازہ لگایا ہے اور دیگر آثار و علامات کا ظہور جس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ یہی ہیں کہ ۱۹۲۴ء ہی فساد فی الارض کی شروعات کی حتمی تاریخ ہے۔

چنانچہ آنحضور ﷺ نے متعدد احادیث میں اپنی وفات کے بعد سے لے کر قیامت تک آنے والے الگ الگ اقسام کے زمانوں کے لیے الگ الگ ہدایات دیں تاکہ امت اپنے فرض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکے۔ یہ ہدایات داخلی اور خارجی دونوں سطحوں سے متعلق ہیں۔ داخلی سطح اس بحث میں چنداں ضروری نہیں اس لیے صرف خارجی سطح کے تعلق سے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

خارجی سطح کے تعلق سے دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) عمل اور (۲) استعداد

جہاں تک عمل کی بات ہے تو یہ بات قیامت تک کے لیے طے کر دی گئی کہ امت انفرادی واجتماعی ہر دو اعتبار سے جہاد بالسیف کی مکلف ہے اور قیامت تک جہاد ایک ثانیہ کے لیے بھی اس امت پر سے ساقط نہیں ہو سکتا۔

اب جہاں تک استعداد کا تعلق ہے تو قرآن نے حکم فرمایا اور اس کے مقاصد بھی بیان فرمادیئے کہ امت پر اجتماعی و انفرادی ہر دو حیثیتوں میں فرض ہے کہ وہ استعداد حاصل کرے، قائم رکھے، اس پر خرچ کرے، اور اس میں کوتاہی نہ کرے۔ چنانچہ قرآن نے ارشاد فرمایا:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شئ في سبيل الله يوف إليكم وانتم لا تظلمون۔ (انفال:۶۰)

ترجمہ: ان کے مقابلہ میں جتنی قوت فراہم کر سکتے ہو کرو، اور وہ گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو ان کے علاوہ ان دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے اور جو کچھ بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

آنحضور ﷺ نے اس سلسلے میں شرح وبسط سے ہدایات دی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

(۱) عن عقبه بن عامر قال سمعت رسول الله ﷺ وهو على المنبر يقول: واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الا ان القوة الرمى الا ان القوة الرمى الا ان القوة الرمى۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: عقبہ بن عامر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ایسے حال میں کہ آپ منبر پر تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ دشمنوں کے لیے جتنی قوت فراہم کر سکتے ہو کرو، یقیناً رمی قوت ہے، رمی قوت ہے، رمی قوت ہے۔

آنحضور ﷺ نے کتنی دور رس بات فرمائی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی آرڈر کا خاتمہ ۱۶۹۹ میں جس بنیادی سبب سے شروع ہوا اور بالآخر ۱۹۲۴ میں کلیتہً ختم ہو گیا وہ اسی قوت کے تعلق سے غلبہ بحال نہ رکھنے کے سبب ہے۔ رمی صرف تیر اندازی نہیں۔

(۲) قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ستفتح عليكم الروم ويكفيكم الله فلا يعجز احدكم ان يلهو باسهمه۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا۔ آپ یہ کہہ رہے تھے کہ عنقریب تمہیں روم پر فتح حاصل ہو گی۔ اور اللہ تمہارے لیے کافی ہو گا تو تم میں سے کوئی اپنے حصوں میں مشغول ہو کر عاجز نہ ہو جائے۔

(۳) قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من علم الرمی ثم تركه فليس منا اوقد عصى۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے رمی سیکھ کر بھلا دی وہ ہم میں سے نہیں یا یہ کہ اس نے نافرمانی کی۔

(۴) قال قال رسول الله ﷺ البركة في نواصی الخيل۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔

خیل صرف گھوڑے نہیں، استعداد جہاد میں پوری ٹکنالوجی اس میں داخل ہے بلکہ ایک حدیث کے الفاظ سے بحری اور فضائی قوت بھی۔

عن جرير بن عبد الله قال رايت رسول الله ﷺ يلوى ناصية فرس باصبعيه وهو يقول الخيل معقود بنواصيها الخير إلى يوم القيامة الاجر والغنيمة۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو اپنی انگلیوں سے گھوڑے کی پیشانی کو موڑتے دیکھا اور آپ فرما رہے تھے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر و برکت بندھی ہوتی ہے، قیامت تک کے لیے، یعنی ثواب اور مال غنیمت۔

(۶)عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من احتبس فرسا فی سبیل الله ایمانا بالله وتصدیقا بوعده فان شبعه وریه وروثه وبوله فی میزانه یوم القیامة۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستہ میں ایک گھوڑا باندھا، اللہ پر ایمان کے ساتھ اور اس کے وعدہ کی تصدیق کے ساتھ، تو یقیناً اس کی سیر ابی، اس کا چارہ اور اس کا بول و براز سبھی کا ثواب قیامت میں اس شخص کے میزان میں رکھا جائے گا۔

ان آیات واحادیث مبارکہ سے صرف اور صرف یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہر ممکن صورت سے امت جہاد کے لیے مستعد رہے۔ ایسا کرنا واجب بلکہ افضل اور اس میں کوتاہی کرنا سخت گناہ۔

بلاشبہ چند احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خارجی سطح پر رسول اللہ ﷺ نے قتال کرنے سے روکا ہے۔ مثلاً

(۱)قال قال رسول الله ﷺ سیکون فتن، القاعد فیها خیر من القائم والقائم فیها خیر من الماشی والماشی فیها خیر من الساعی، من تشرف لها تتشرفه فمن وجد ملجاء ومعاذا فلیعذبه۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ عنقریب ایسے فتنے ہوں گے جس میں بیٹھنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا۔ اور کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو ان فتنوں کی طرف جھانکے گا وہ اس کی طرف آئیں گے۔ لہٰذا جو شخص بھی کوئی پناہ گاہ پائے وہ اسی میں چھپ جائے۔

(۲)قال قال رسول الله ﷺ انها ستکون فتن الاثم تکون فتن الاثم تکون فتنة القاعد خیر من الماشی فیها والماشی فیها خیر من الساعی إلیها الا فاذا وقعت فمن کان له ابل فلیلحق بابله ومن کان له غنم فلیلحق بغنمه ومن کانت له ارض فلیلحق بارضه فقال رجل یا رسول الله ارایت من لم یکن له ابل ولا غنم ولا ارض قال یعمد إلی سیفه فیدق علی حده بحجر ثم لینج ان استطاع النجاء اللهم هل

بلغت ثلثا فقال رجل ارایت ان اکرھت حتی ینطلق بی إلی احد الصفین فضر بنی رجل بسیفه او یجئ سهم فیقتلنی قال یبوء باثمه واثمک ویکون من اصحاب النار۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: فرمایا، رسول اللہ نے فرمایا کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے پھر جان لو کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے، پھر جان رکھو کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے، بیٹھنے والا ان میں چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا خبردار، جب وہ واقع ہو جائیں تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے پاس چلا جائے، جس کے پاس بکریاں ہوں وہ بکریوں میں چلا جائے، اور جس کے پاس زمین ہو وہ زمین سے لگ جائے، تو ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول یہ بتایئے ہیں کہ جس کے پاس نہ اونٹ ہو نہ بکری اور نہ زمین، فرمایا وہ اپنی تلوار لے اس کی دھار پتھر سے توڑ ڈالے پھر بھاگ سکے تو بھاگ جائے، اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ (یہ آپؐ نے تین بار فرمایا) تو ایک آدمی نے کہا کہ اگر میں مجبور کر دیا جاؤں کہ کسی ایک گروہ کی صف میں شامل ہو جاؤں، اور مجھے کوئی آدمی تلوار سے مار ڈالے یا کوئی تیر آئے اور مجھے قتل کر دے، فرمایا کہ اس پر تمہارا اور اس کا دونوں کا گناہ ہو گا اور وہ دوزخیوں میں سے ہو گا۔

(۳) قال قال رسول الله ﷺ یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال وہ بکریاں ہوں گی جسے لے کر وہ پہاڑوں کی کھوہوں میں چلا جائے اور بارش کی جگہوں میں، فتنوں سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی غرض سے۔

(۴) عن النبی ﷺ انه قال ان بین یدی الساعة:

(الف) فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل فیها مومنا ویمسی کافرا ویمسی مومنا ویصبح کافرا القاعد فیها خیر من القائم والماشی فیها خیر من الساعی فکسروا فیها قسیکم وقطعوا فیها اوتارکم واضربوا سیوفکم بالحجارة فان دخل علی احدمنکم فلیکن کخیر ابنی آدم۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے کچھ فتنے ہوں گے،

تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح، جس میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا، شام میں کافر ہوگا، اور شام میں مومن صبح میں کافر، اس میں بیٹھنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا، چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، اس وقت تم اپنے کمان توڑ دینا، اپنے تانت توڑ ڈالنا، اپنی تلواروں پر پتھر مارنا، تو اگر تم میں سے کسی کے پاس آجائے تو وہ آدم کے دونوں بیٹوں میں سے اچھے بیٹے کی طرح برتاؤ کرنا۔

(ب) وفي رواية له ذكر إلى قوله خير من الساعي ثم قالوا فماتامرنا قال كونوا احلاس بيوتكم۔

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ خیر من الساعی تک آپ نے ذکر فرمایا اس کے بعد لوگوں نے پوچھا تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ تم اپنے گھروں سے چپٹ کر بیٹھ جانا۔

(ج) وفي رواية الترمذي ان رسول الله ﷺ قال في الفتنة كسروا فيها قسيكم وقطعوا فيها اوتاركم والزموا فيها اجواف بيوتكم وكونوا كابن آدم وقال هذا حديث صحيح غريب۔

ترجمہ: ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کے بارے میں فرمایا اس میں اپنی کمانیں توڑ دینا، اپنے تانت کاٹ ڈالنا اور اپنے گھروں کے اندرونی حصوں میں بیٹھ جانا، اور آدم کے بیٹے کی طرح ہو جانا، امام ترمذی نے کہا کہ یہ روایت صحیح غریب ہے۔

ان تمام احادیث پر اگر دقت نظر سے غور کیا جائے تو عام مشہور خیال سے الگ کچھ دوسری باتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) حدیث کے الفاظ (۱) "القاعد فيها خير من القائم والقائم فيها خير من الماشي والماشي فيها خير من الساعي۔"

(۲) "فمن كان له ابل فليحلق بابله ومن كان له غنم فليحلق بغنمه ومن كانت له ارض فليحلق بارضه"

(۳) "كونوا احلاس بيوتكم"

(۴) "والزموا فيها اجواف بيوتكم"

دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کوئی ایسا فتنہ برپا ہوگا جس کا ساتھ دینا دین وایمان کی ہلاکت کے مصداق ہوگا۔ وہ فتنہ لوگوں کو اپنے دام میں شامل کرنے کے لیے خوب زور لگائے گا، لالچ دے گا یا مجبور کرے گا لیکن اس لالچ میں نہ پڑنا اور اس مجبوری کو انگیز کرنے کم پر قانع

ہو جانا ترقی کرنے آگے بڑھنے کی بجائے قلیل سے قلیل آمدنی پر اکتفا کرنا ہی دین اور آخرت کے لیے احسن ہو گا۔ یہ معنی اس طرح تبادر ہوتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے یہ فتنہ سونے والوں کو جاگنے پر، جاگے ہوئے کو اٹھ بیٹھنے پر، بیٹھے ہوئے کو کھڑے ہونے پر، کھڑے ہوئے کو چلنے پر اور چلنے والوں کو دوڑنے پر ابھارے گا۔ لالچ دے گا یا مجبور کرے گا۔ جو ایسا نہیں کریں وہ دنیا میں، زندگی میں آسائش حیات کے معاملے میں پیچھے رہ جائیں گے۔ دنیا ان پر تنگ سے تنگ ہوتی جائے گی۔ جہاں ایک طرف بے حیثیت اور مفلس لوگ اس فتنہ کی آغوش میں جا کر کوٹھیوں، بنگلوں، اعلیٰ آسائشوں اور دولت سے کھیل رہے ہوں گے وہیں اس فتنہ کا ساتھ نہ دینے والے امیر اور خوش حال لوگ بھی چند دنوں میں مفلس اور بدحال ہو جائیں گے۔ ماحول ان سے تقاضا کرے گا کہ یہی ترقی کا راستہ ہے۔ بعض لوگ اس کے لیے تاویلیں کر کے حرام کو حلال کریں گے اور حلال رزق حاصل کرنے والوں پر زندگی تنگ ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں آنحضور فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اس فتنہ کا ساتھ نہ دو۔ جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اسی پر قناعت کر لو لیکن دین کے معاملے میں مداہنت یا سمجھوتہ نہ کرو۔ خواہ تمہیں بمشکل نان جویں بھی میسر آئے۔ پیچھے رہ جانے والا دین کے اعتبار سے آگے بڑھ جانے والا ہو گا۔ اور اس فتنہ کے دامن میں دوڑ لگانے والا دین کے معاملے میں خسارہ اٹھانے والا ہو گا۔ ان حدیثوں میں جہاں آلات حرب کے توڑنے کی بات ہے غالباً وہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کا پیشہ فوجی خدمات ہو گا۔ اس لیے کہ سوال کا یہ حصہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے "یا رسول اللہ ارایت من لم یکن لہ ابل ولا غنم ولا ارض قال یعمد الی سیفہ۔"

(۲) لیکن جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے "یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینہ من الفتن"

تو یہ صورت دوسری اور بے انتہا نازک معلوم ہوتی ہے۔ غالباً ابو داؤد کی وہ روایت اسی صورت حال کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں کہا گیا ہے۔

"انہ قال ان بین یدی الساعۃ فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل فیھا مومنا ویمسی کافراً ویمسی مومنا ویصبح کافراً القاعد فیھا خیر من القائم والماشی فیھا خیر من الساعی فکسروا فیھا

قسیکم وقطعوا فیها اوتارکم واضربوا سیوفکم بالحجارة۔"

غالباً یہ اس صورت حال کا نقشہ ہے جب مومنین پورے روئے زمین پر بالکل بے بس کر دیئے جائیں گے۔ اور زندگی کے ہر میدان سے وہ صد فی صد Marginalise کر دیے جائیں گے۔ زندگی سے الگ کر دیئے جانے سے مراد یہ نہیں کہ ان کی زندگی مفلس اور بدحال ہو گی بلکہ یہ کہ ان کے سامنے حیات و موت کا مسئلہ ہو گا۔ تب موجود غالب نظام یہ بھی برداشت کرنے کو تیار نہ ہو گا کہ اگر کوئی مومن اپنا سب کچھ قربان کر کے صرف مومن زندہ رہنا چاہتا ہو تب بھی اس کو اس کی اجازت دی جائے۔ وہ سارے کاروبار حیات سے بید خل کر دیئے جانے کے بعد اپنے گھروں میں بھی زندہ مومن برداشت کیا نہیں جائے گا اور اسے مجبور کیا جائے گا وہ یا تو ایمان سے ہاتھ دھولے یا انسانی سماج سے بید خل ہو جائے۔ ایسی حالت میں آنحضور ﷺ نے کہا کہ ایک مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے دین کے ساتھ فرار ہو جائے جس کی اونٹنی ہو وہ اپنی اونٹنی کو لے کر جس کی بکری ہو وہ اپنی بکری کو لے کر پہاڑوں اور وادیوں میں جا چھپے تاکہ کم از کم مومن زندہ رہ سکے۔

بعض متون میں یہ باتیں Interpolate بھی ہو گئیں ہیں جن سے الجھن پیدا ہوتی ہے اس لیے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان حدیثوں میں ظہور دجال سے قبل اٹھنے والے فتنے کے دوسروں کا حال بیان کیا گیا اور ان سے نبرد آزما ہونے کی تدبیر بتائی گئی ہے۔ لیکن اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ عامۃ الناس کیسے زندگی گزاریں۔

چنانچہ پہلی قسم کی احادیث اس فتنے کے پہلے حصے سے متعلق ہیں اور دوسرے حصے کی احادیث آخری حصے سے متعلق۔

موجودہ حقیقت

میری ناقص رائے میں ۱۹۲۴ اور بطور خاص ۱۹۳۰ کے بعد اسی پہلے حصے کا آغاز ہو گیا تھا جب سودی نظام سیلاب کی طرح زندگی کے ہر میدان میں در آیا۔ ایسا خلافت کے خاتمہ کے بعد ہی ہوا جب ۱۹۳۰ میں Gold Standard کا خاتمہ کر دیا گیا۔ افسوس ہے امت مسلمہ ـــــ اصحاب حل وعقد، حکومتوں اور افراد نے اپنے جہادی اور معاشی ترجیحات اور تناسب کے تعلق سے ان ہدایات کے بالکل برعکس فیصلے کیے۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ خلافت کا قائم مقام حاصل کرنے کی

کوشش کرکے اور اس نظم کے تحت اپنے مال کے انفاق کی ترجیح و تناسب قائم کرتے۔ یعنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں "عفو" کا معاملہ کیا جاتا۔ اپنی قلیل ضرورت سے زاید ساری آمدنی اور مال امت کی عسکری تیاریوں پر صرف کیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ امت عسکری تیاریوں کے اعتبار سے پس ماندہ سے پس ماندہ تر ہوتی چلی گئی اور معاشی میدان میں نظام شیطان کا زیادہ سے زیادہ بڑا حصہ۔ چنانچہ آج اگر امت مسلمہ کے تین حصے کیے جائیں یعنی

(۱) حکومتی و ملکی سطح

(۲) تجارتی یا Corporate سطح

(۳) انفرادی چھوٹے تاجر، کاشتکار یا نوکر پیشہ افراد

تو ان میں پہلی دو سطحیں کلی طور پر شیطانی نظام کا حصہ ہو چکی ہیں اور حرام پر قائم ہو گئیں ہیں۔ رہی تیسری سطح تو اس میں افقی طور پر تو شاید کوئی حرام سے بچا نہیں ہے لیکن عمودی طور پر بمشکل ۱۰ فیصد مسلم افراد اس سطح پر بھی حلال رزق کمار ہے ہیں۔

ابھی ہمارے معاشرے میں چونکہ باطل نے یہ شرط نہیں رکھی ہے کہ کسی کو مومن زندہ رہنے کا حق نہیں اس لیے مسلم معاشرے کا ۹۰ فیصد حصہ باطلانہ نظام کا حصہ بن جانے کے سبب کافر ہونے کے باوجود مومن کہلاتا اور شمار ہوتا ہے۔ لیکن جس دن اس عالمی نظام شیطان نے اس حکم کو جبری طور پر نافذ کرنے کا اعلان کیا کہ "اسلام پر چلنے والا دہشت گرد ہے" اسی دن اس کا قوی اندیشہ ہے کہ ۹۰ فیصد آبادی اس خیمہ میں شامل ہو جائے گی جسے حدیث میں فسطاط نفاق کہا گیا ہے۔ جہاں ایمان پایا نہیں جائے گا۔ اور بقیہ ۱۰ فیصد آبادی فسطاط ایمان میں شامل ہو کر غار و کوہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ یہ حدیثیں دراصل جہاد کرنے سے روکنے والی نہیں بلکہ معاشرتی و معاشی زندگی کے تعلق سے ہدایات دینے والی ہیں۔

چنانچہ قرآن اور احادیث مبارکہ ہمیں اسی نتیجہ تک پہنچاتی ہیں کہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم دین سے چمٹے رہیں، ہر قیمت دے کر دین کی حفاظت کریں اور اپنی پوری زندگی جہاد کے لیے وقف کر دیں اور اپنا شمار اس گروہ میں کروائیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے لاتزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام ٹھیک اسی طرح کیسے انجام پائے جیسا اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں۔

تمام نصوص و آثار اسی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ وہ فتنہ جو اس کائنات کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وہ فتنہ جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو آگاہ کیا اور اس سے ڈرایا وہ فتنہ جس کے قلع قمع کے لیے بالآخر حضرت عیسیٰ علی نبینا الصلوٰۃ والسلام تشریف لانے والے ہیں وہ فتنہ کتنا مہیب ہوگا۔

اب دیکھنا ضروری ہے کہ اس فتنے سے نبرد آزما ہونے کے لیے قرآن واحادیث مبارکہ میں کیا ہدایات ملتی ہیں۔

قرآن واحادیث کا استیعاب کرنے سے جو پہلی بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ورسول بھی چاہتے ہیں کہ مومنین ثابت قدم رہ کر پوری جانفشانی سے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کریں۔ اس لیے کہ ان کی اس ثابت قدمی پر پوری نسل انسانی کی کامیابی منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ مومنین کے لیے بالآخر حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا اسی بات کا اشارہ کر رہا ہے کہ اس کی رضا اسی میں پنہاں ہے کہ مومنین ثابت قدم رہیں اپنا فرض منصبی اس طرح ادا کریں جیسا کہ اس فرض کو ادا کرنے کا حق ہے۔ اگر اس حق کی ادائیگی میں کروڑوں مسلمان مارے بھی جائیں اور صرف چند ہی باقی بچیں جب بھی اللہ انہیں فتح سے ہمکنار کرے گا۔ دجال اور پوری یہودیت اور شیاطین انس وجن کی فوج کو غارت کر دے گا۔ اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس شہادت حق کے لیے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جامع ہدایت دی ہے جسے ایک ایسے ماڈل کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جس کے تین حصے ہیں۔

(۱) ایمان

(۲) جہاد

(۳) معاش

ایمان سے مراد یہ ہے کہ اس فتنے کے سامنے وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جو ایمان میں ثابت قدم ہو۔ اور ایمان میں ثابت قدمی توحید میں رسوخ سے آئے گی۔ اور توحید میں رسوخ اسماء حسنیٰ پر یقین کامل سے آئے گا۔ ایک ایسا شخص جو ایمانا توحید مجسم میں نہ ڈھل سکا وہ اس فتنہ کے

سامنے ثابت قدم نہیں رہ پائے گا۔

جہاد سے مراد یہ ہے کہ وہ توحید کے لیے صد فیصد اپنی زندگی جہاد میں لگا دے۔ یہ فتنہ ایسا ہوگا کہ اس میں توحید کی حفاظت ہی جہاد قرار پائے گی۔ اور اس تعلق سے پہلا جہاد اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہوگی۔ یہ ہجرت "والرجز فاهجر" (گندگی سے ہجرت کر جا) سے شروع ہوگی اور "قال انی مهاجر إلى ربی" (لوط نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں) سے ہوتے ہوئے وہاں آجائے گی جسے قرآن میں کہا گیا ہے:

قل انني هداني ربي إلى صراط مستقيم دينا قيما ملة ابرهيم حنيفا وما كان من المشركين۔ قل ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العلمين۔ لا شريك له وبذلك امرت وانا اول المسلمين۔

(الانعام: ۱۶۳-۱۶۱)

ترجمہ: کہہ دو میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے ایسے ابراہیم کی ملت پر جو دین حنیف پر قائم ہے وہ مشرکوں میں سے نہیں ہے کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

یہ ہجرت انہیں مومن زندہ رکھے گی۔ جو ہجرت نہیں کریں گے وہ دجال کے ظہور سے قبل ہی اس شیطانی نظام میں گھل جائیں گے۔ جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے اور جب دجال آئے گا تو انہیں مسیح نظر آئے گا۔ جو ہجرت کریں گے وہ نہ صرف یہ کہ ثابت قدم رہیں گے بلکہ وہی دجال کو پہچان لیں گے۔ اور انہیں ہی اس کا مقابلہ کرنے کی توفیق ہوگی۔ یہی وہ گروہ ہوگا جس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے خوش خبری دی اور فرمایا:

"احرزهما الله من النار" یہ ان دو گروہوں میں سے ایک ہوگا جسے اللہ تعالیٰ جہنم سے بچالے گا۔

معاش سے مراد یہ ہے کہ جو فتنۂ مال میں مبتلا ہوا وہ ہلاک ہوا۔ دجال کا فتنہ مال کا فتنہ ہے۔ جو کثرت مال کا خواہشمند ہوا وہ حرام میں مبتلا ہو کر فتنۂ مال میں مبتلا ہوا۔ جو فتنۂ مال میں مبتلا ہوا وہ توحید اور جہاد اور ہجرت سے روگردانی کرے گا اور دجال کا حصہ بن جائے گا۔

لكل امة فتنة وان فتنة امتي المال۔ (مسند احمد)

ترجمہ: ہر امت میں ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

اس امت اور دجال کے فتنہ کے تعلق سے آنحضور ﷺ کو سب سے زیادہ جس بات کی فکر تھی وہ اسی کی تھی کہ انہیں ڈر تھا کہ اس امت کی کثیر تعداد اس میں مبتلا ہو کر دجال کے لیے لقمۂ تر بن جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وعن عقبه بن عامر رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ خرج إلى قتلى احد، فصلى عليهم بعد ثمان سنين كالمودع للاحياء والاموات، ثم طلع إلى المنبر فقال: اني بين ايديكم فرط وانا شهيد عليكم، وان موعدكم الحوض، واني لا نظر اليه من مقامي هذا، الا واني لست اخشى عليكم ان تشركوا ولكن اخشى عليكم الدنيا ان تنافسوها: قال: فكانت آخر نظرتها إلى رسول الله ﷺ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جنگ احد کے شہداء کی طرف گئے اور آٹھ سال کے بعد ان کی نماز پڑھی جیسے کہ آپ زندوں اور مردوں سے رخصت ہونے والے ہوں، پھر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے، اور فرمایا کہ میں تم سے پہلے چلا جاؤں گا، اور تمہارے اوپر گواہ ہوں گا، اب تم سے حوض کوثر پر ملاقات ہوگی جسے گویا کہ میں اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں۔ خبردار میں تمہارے اوپر شرک سے نہیں ڈرتا، بلکہ مجھے دنیا کا خوف ہے، کہ تم اسی میں مقابلہ کرنے لگو گے۔ اسی جگہ میں نے آپ کو آخری بار دیکھا تھا۔

یہی وہ تین قاعدے ہیں جو اس مثال میں پائے جاتے ہیں جو آنحضور ﷺ نے بتائے ہیں۔

اس پورے معرکہ کو اللہ تعالی نے اپنی کتاب مبین میں ایک مثل کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس بات کی ہدایت دی ہے کہ مومنین قیامت سے پہلے اس فتنے سے نبرد آزما ہونے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کریں: قرآن کا ارشاد ہے:

”فلما فصل طالوت بالجنود قال ان الله مبتليكم بنهر فمن شرب منه فليس منى ومن لم يطعمه فانه منى الا من اغترف غرفة بيده فشربوا منه الا قليلا فمنهم فلما جاوزه هو والذين آمنوا معه قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده قال الذين يظنون انهم ملاقوا الله، كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين.

ولما برزوا لجالوت وجنوده قالوا ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔ فهزموهم باذن الله وقتل داؤد جالوت واته الله الملک والحکمة وعلمه مما یشاء ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولکن الله ذو فضل علی العلمین۔ تلک ایت الله نتلوها علیک بالحق وانک لمن المرسلین۔"

(البقرۃ: ۲۵۲ تا ۲۴۹)

ترجمہ: جب طالوت فوج لے کر چلے، تو انہوں نے فوج سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ندی سے آزمائے گا تو جو شخص اس ندی سے پانی پی لے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ اور جو اس کو نہ چکھے گا اس کا مجھ سے تعلق ہو گا الا یہ کہ وہ چلو بھر لے لے۔ پھر ان لوگوں نے پیا سوائے چند اشخاص کے، جب طالوت اور ان کے ساتھی اہل ایمان اس نہر سے پار ہو گئے، کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور اس کی فوج سے جنگ کرنے کی تاب نہیں۔ جنہیں اللہ سے ملاقات کا یقین تھا انہوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی جمعیتیں بڑی جمعیتوں پر غالب آتی ہیں اللہ کے اذن سے۔ یقیناً اللہ صابرین کے ساتھ ہے جب وہ جالوت اور اس کی فوج کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمیں صبر و ثبات عطا کر اور کفار پر ہماری مدد کر، پھر انہوں نے اللہ کے اذن سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں حکومت و حکمت دی۔ اور جو چاہا سکھایا اور اللہ ایک دوسرے سے لوگوں کو نہ ٹال دیتا تو یقیناً زمین میں فساد برپا ہو تا۔ مگر اللہ دنیا والوں پر مہربان ہے یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

اسی بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے یوں کہا ہے:

ان الدجال یخرج وان معه ماء ونارا فاما الذی یراه الناس ماء فنار تحرق واما الذی یراه الناس نارا فماء بارد عذب فمن ادرکه منکم فلیقع فی الذی یراه نارا فانه ماء عذب طیب۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: بے شک دجال کا خروج ہو گا، اور اس کے ساتھ پانی اور آگ ہو گی جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ جلانے والی آگ ہو گی اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا شیریں پانی ہو گا۔

آخری موقع

چنانچہ عالم اسلام کے تمام افراد و اجتماعیات کو چاہئے کہ وہ ایک طرف تمام حرام امور سے کلی اجتناب کریں چاہے اس کے سبب ان کا منافع کم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس ذیل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ باطل ملکوں، باطل نظام اور باطل معاشرے سے کلی انکار اختیار کریں۔ یہ صریح ہلاکت ہے کہ انہوں نے خود دارالاسلام اور دارالکفر کی دیواریں ڈھادیں ہیں۔ اس طرح دارالکفر تو دارالاسلام نہ بن سکاہاں دارالاسلام دارالکفر میں ضرور ضم ہو گیا۔

دوسری طرف اسلامی ملکوں، اسلامی معاشروں اور اسلامی افراد کو اپنے کل کسب کا قلیل حصہ ہی اپنی ضروریات پر صرف کرنا چاہئے اور اس کا سارا کا سارا بقیہ حصہ دفاعی پروڈکشن پر صرف کیا جانا چاہئے۔ اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دفاعی پروڈکشن سے متعلق شعبوں کے علاوہ زندگی کے بقیہ شعبوں پر بقدر ضرورت ہی سرمایہ کاری کی جانی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام سرمایہ کاری کو قطعاً ممنوع قرار دے دینا چاہئے جو Luxuries پر ہوتی ہیں۔ عالم اسلام کے معاشرہ کو کلیتاً مہاجر معاشرہ میں بدل جانا چاہئے یعنی مہاجروں کا ایک ایسا معاشرہ جو صرف جہاد کے لیے مختص ہے۔ اس ملال کا کلی اطلاق اور نفاذ ہی اس فتنہ کے مقابلے میں امت مسلمہ کو ثابت قدم رکھ سکتا ہے جو آنے والا ہے۔ اور یہ ذمہ داری ہر صاحب حل و عقد سے عام مومن تک سب پر یکساں ہے۔

ایک ایسے چیلنج کا تقاضا ہے کہ امت فی الواقع ملت میں تبدیل ہو جائے۔ نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کے نفاذ کے بعد جو مسلم ملک یا اس معاشرے میں رہنے والے مسلمان Nation-State تصور میں جی رہے ہیں ان کی مثال کمرے میں بند اوڑھ لپیٹ کر اس سونے والے کی سی جو اس احساس کے ساتھ سو رہا ہے کہ ابھی رات ہے اور صبح ہونے میں دیر ہے جبکہ اس کمرے سے باہر سورج کو نکلے ہوئے کئی گھنٹے بیت چکے ہیں۔ کیسا طرفہ تماشا اور المیہ ہے کہ جس قوم پر اس حقیقت میں جینا فرض ہے کہ وہ ایک گلوبل نظام کا جزو ہے اور اس کی قومی زندگی میں کسی قسم کا Deglobalisation شرعاً حرام ہے وہ زندگی کے ۹۹ فیصد حصے میں Deglobalized ہو کر جینے پر قانع ہے کیا سرکاری ا. تماسیت کیا غیر سرکاری اجتماعیات کیا افراد۔ اور جس قوم (باطل) کو صرف اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اللہ کی زمین پر تجربہ دے کر اور چھوٹا

بن کر ہی رہ سکتی ہے ورنہ اس کے خلاف جنگ کی جائے گی وہ صد فیصد Globalized ہو کر رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی سرکاری اجتماعیات یعنی تمام اسلامی ممالک اور غیر سرکاری اجتماعیات یعنی تحریکات اسلامی اور افراد جو Nation-State کی سطحوں پر قائم ہیں عملاً حرام زندگی گزار رہی ہیں۔ جن کی اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے کوئی ولایت نہیں۔

چنانچہ دنیا کے تمام مسلم سرکاری اجتماعیات اور غیر سرکاری اجتماعیات کا فرض اولین ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنی موجودہ صورت حال سے ہجرت کریں اور ایک امت کی طرح عالمی طور پر منضبط ہو جائیں۔ اور ایسا کرنے میں ہی وہ اس قابل ہو سکتی ہیں کہ آنے والی اس مصیبت کا مقابلہ کر سکیں جو اب ان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اور کسی لمحے تباہی برپا کر سکتی ہے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

آج سے چندرہ سو سال قبل کوہ صفا پر اللہ کے آخری رسول ﷺ نے جس فوج کے حملہ آور ہونے کی خبر دی تھی وہ فوج بس ظاہر ہونے ہی والی ہے۔

✪✪✪

ضمیمہ اول

معرکہ خلیج: مضمرات وعواقب ٥

خلیج میں جنگ بظاہر بند ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک مبینہ طور پر کامیاب ہو چکے ہیں۔ کویت میں شیخ جابر الصباح کا اقتدار بحال ہو چکا ہے۔ اور امریکی صدر جارج بش کے بقول "قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کی فتح ہوئی۔" لیکن اس حقیقت سے شاید ہی کوئی باخبر فرد اختلاف کرے گا کہ قضیہ کا اصل الاصول۔ جس کے سبب عراق نے کویت جیسے پڑوسی ملک پر فوج کشی اور مغربی اقوام نے اقوام متحدہ کا سہارا لے کر ان امکانات وخدشات کا سد باب کیا جو اس واقعہ کے نتیجے میں ظہور پذیر ہو سکتے تھے۔ علی حالہٖ موجود ہے۔ لہٰذا اس صورت حال کو جنگ کا بظاہر بند ہونا ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس جنگ کا ظاہری انجام خواہ کچھ بھی نظر آئے باخبر افراد کے نزدیک اپنی اصل اور اپنے مضمرات کے اعتبار سے یہ جنگ ام المحارب کا محض ایک ابتدائی معرکہ ہے۔

معاصر مغربی تہذیب کی تاریخ نویسی اور وقائع نگاری کی اصولیات کے عین مطابق اس معرکہ کی بنیاد اصلاً کویت پر عراق کی فوج کشی اور اس پر قبضہ قرار پائی۔ مغربی تاریخ نویسی میں کسی مخصوص سن، تاریخ یا واقعہ کا تعین نفس مسئلہ کے انکشاف و تفسیر کے بجائے مسئلہ کی اس تعبیر کو متعین کرتا ہے جو مغرب کی خواہش کے عین مطابق ہے۔ اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ساری دنیا ان کی تعبیر کو نفس مسئلہ کی تفصیل تسلیم کرے ہر چند کہ مغربی تاریخ نویسی کی ہر ایسی تعبیر ہمیشہ سے تاریخ دانوں کے نزدیک وجہ نزاع رہی ہے خواہ وہ "زمانہ قدیم، عہد وسطیٰ اور عہد جدید" کی تعبیر ہو یا "یوروپ کی تاریخ نپولین کے عہد سے" کی ہو۔

"کویت پر غاصبانہ قبضہ" کی مغربی تعبیر کو جنگ خلیج کا نقطۂ آغاز مان لینے سے کئی امور جائز قرار پاتے ہیں جو مغرب کی مرضی کے عین مطابق ہے:

(۱) عراق کے خلاف دنیا کے سارے وسائل کا اجتماع

(۲) عراق کی ہمہ جہت ناکہ بندی

---

٥ تحریر: یکم اپریل ۱۹۹۱

(۳) عراق کے خلاف فوج کشی اور کویت سے اس کی بید غلی
(۴) عراق کی قوت کی تباہی اور آئندہ اس کی قوت کی تحدید

اس کے ساتھ ساتھ اس تعبیر کے مان لینے کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ کئی ایسے امور جن کو پوشیدہ رکھنا عین مغربی خواہش رہی ہے۔ لیکن تاریخ داں جسے نفس مسئلہ کی اساس قرار دیتے ہیں۔ طاق نسیان کے حوالے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں کے نزدیک کویت جیسے چھوٹے ملک پر عراق کی فوج کشی کی اہمیت ہو گی لیکن ماہرین کے نزدیک ان کی کچھ بھی اہمیت نہیں اس لیے کہ اس فوج کشی کا سارا دارومدار ایک ملک کے کسی سربراہ کے ارادہ (Intent) پر ہے جو سرتاسر وقتی اور غیر مستقل عنصر ہے۔ اہمیت تو اس عنصر کی ہے جو غیر وقتی اور مستقل ہے اور جس کی اساس قوت (Potential) ہے۔ اب جہاں عراقی فوج کشی کا تعلق وقتی اور غیر مستقل ارادہ (Intent) سے ہے وہیں تمکن منصوبہ، وائن برگر منصوبہ امریکہ سے لے کر مشرق وسطی تک خط مستقیم (Beeline) میں جنگی مشنری کی تنصیب اور وہ تمام امور جن کا تعلق نہ قلیل المدت منصوبہ بندی سے ہے نہ طویل المدت منصوبہ بندی سے بلکہ جن میں اکثر امور خالصتاً Perspective Planning سے تعلق رکھتے ہیں کا تعلق سرتاسر غیر وقتی اور مستقل قوت (Potential) سے ہے۔

حقیقی صورت حال

کسی نزاع میں اس کی حقیقت کا تعین فریقین کی ظاہری صورت حال کے بجائے حقیقی صورت حال کرتی ہے۔ حقیقی صورت حال کا تعلق اصلاً فریقین کا نفس مسئلہ کے تعلق سے ان کی قوت کی توجیہ یا تکییف (Orientation of Potential) سے ہے۔ فریقین میں سے اصل جارح وہی فریق ہے جس کے ارادے کی پشت پر ضروری قوت (Required Potential) کی توجیہ (Orientation) موجود ہے۔ امریکہ سے لاکھوں فوجوں اور اربوں ٹن اسلحہ جات کو بیک وقت مشرق وسطی منتقل کرنے کے لیے خط مستقیم (Beeline) میں جنگی مشنری کی تیاری، بحر اوقیانوس، بحر متوسط اور مشرق وسطی میں دیو ہیکل تعمیرات اور سہولیات کی تیاری کم از کم بیس سالہ منصوبہ کا نتیجہ ہے اور ان تمام کوششوں کے عملی ثبوت کویت پر عراق کی فوج کشی سے کم از کم بیس سالوں قبل سے پائے جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں عراق کی کاروائی سراسر دفاعی قرار دی جا سکتی ہے۔ لیکن مغرب اور اس کے ذرائع ابلاغ اس بات پر مصر ہیں کہ نزاع کا نقطۂ آغاز کویت پر

عراق کی فوج کشی ہی قرار دی جائے۔

کویت پر عراق کی فوج کشی کے اسباب وعلل اور مقاصد سے قطع نظر عراق کی قوت کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہیں:

(۱) عراقی قوت علاقائی قوت کے اعتبار سے دفاعی اور اقدامی صلاحیت رکھتی تھی۔

(۲) عراقی جنگی مشنری ساری دنیا کے خلاف یا کسی سوپر طاقت سے لڑنے کے لیے بنیادی طور پر تیار نہیں کی گئی تھی۔

(۳) اپنی ترجیحات کے اعتبار سے عراق کی تیاری کا اندازہ وہ نہیں تھا جو تیس کی دہائی میں جرمنی کا تھا۔

لہذا ان باتوں سے جو حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے وہ اس قدر ہے کہ:

(۱) کویت پر مذکورہ عراقی کاروائی اصلاً علاقائی پیمانے پر مگر خالصتاً تادیبی یا دفاعی ہو سکتی ہے۔

(۲) جن حالات میں ۵ر اگست ۱۹۹۰ لغایت ۲۶ر فروری ۱۹۹۱ تک عراق نے کاروائی کی اسے ایک سوپر طاقت کی مسلط کردہ جنگ کا مقابلہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں استقامت اس کی دفاعی اور اخلاقی ذمہ داری تھی۔

(۳) ۱۷ر جنوری ۱۹۹۱ کے بعد رونما ہونے والے واقعات اور امریکی موقف نے عملاً اس کی تردید کی کہ قضیہ بنیادی طور پر عراق کا کویت پر قبضہ ہے۔ اس لیے کویت پر عراقی قبضہ کے ازالے کے حدود کویت سے عراقی انخلاء تک ہی ہو سکتے ہیں لیکن عراق کے بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) کی تباہی کی کوشیں، عراقی علاقے میں فوج کشی اور مشرق وسطی میں طاقت کے توازن میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ نئے دفاعی نظام کے قیام کی کوشش اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ قضیہ کویت پر عراقی قبضہ نہیں تھا۔

عراق و کویت

عراق کی 'جارحیت' اور عراق جو ایک مسلم ملک ہے کی قوت کار دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ عراق کی جارحیت کا تعلق اسکے ارباب حل وعقد کے ارادے سے ہے جو سر تا سر ایک وقتی عامل ہے اور عراق کی قوت کار کا تعلق وہاں کے عوام کے وسائل اور سرمایہ سے ہے جو غیر وقتی

اور مستقل عامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی عضوی کجروی کی اصلاح کجروی کی حرکت کو روکنے کی حد تک ہو سکتی ہے لیکن عضو کی حرکت کو مستقل طور پر معطل یا مفلوج کر دینے تک کبھی نہیں جا سکتی۔

لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس بات کی عملی کوشش کی گئی کہ عراقی جارحیت کے انسداد کے پردے میں قوت کار کا خاتمہ کر دیا جائے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کویت پر عراقی فوج کشی کی تعبیر ایک فریب تھی۔

مذکورہ تمام امور اس بات کے شدید متقاضی ہیں کہ اس جنگ کے اسباب، مضمرات اور عواقب کا بھرپور جائزہ لیا جائے اس لیے کہ اگر ان ہولناک حملوں کا مقصد کویت سے عراقی انخلاء نہیں بلکہ کچھ اور تھا تو پھر ان ہولناک اقدامات کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی اور آنے والے ایام کے بطن میں مزید ہولناک مناظر پوشیدہ ہیں جن کے لیے امت کا ذہنی اور عملی طور پر تیار رہنا لازمی ہے۔

فلسطینیوں کو جو فلسطین کے حقیقی باشندے ہیں ان کے وطن سے بے دخل کر کے وسیع و عریض اسرائیل کا قیام اور اسرائیل کا لبنان اور دیگر عرب ملکوں پر حملہ کر کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لینا اور اپنی حفاظت کے نام پر اسے دفاعی پٹی میں تبدیل کر دینا ہر چند کہ کسی خطے کے عوام اور ملک کی سالمیت اور خود مختاری کی کھلی خلاف ورزی ہے لیکن ان امور میں سے کوئی بات اقوام متحدہ اور مغربی ملکوں کو اس کا جواز فراہم نہ کر سکی کہ عالمی اتحاد قائم کر کے حقوق کی بحالی ہو۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عراق کا جرم کسی ملک کی خود مختاری کی خلاف ورزی نہیں تھی نہ ہی عراق کے خلاف محاذ آرائی کا اصل جواز کویت کی خود مختاری کی بحالی تھی۔

برطانیہ کے مشہور جریدہ اکنامسٹ (Economist) نے ۱۲/ جنوری ۱۹۹۱ کے اداریہ میں اس جنگ کے جواز اور اس کے اصلی محرکات و مضمرات کا جائزہ لیا ہے جو اپنی پیچیدہ اصطلاحات اور انداز بیان کے باوجود مغرب کے اصلی محرکات کی کسی قدر صحیح ترجمانی کرتا ہے اور مشرق کے اہل دانش کے لیے نشان عبرت اور اتمام حجت ہے جو اب تک اس سارے قصے کا نقطۂ آغاز کویت پر عراقی فوج کشی کو قرار دینے سے نہیں تھکتے۔

جریدہ رقم طراز ہے:

"The Result of all wars is men killed.

maimed or made insane by horror. This time the horrors may include ballistic missiles, chemical weapons, even----if Iraq is foolish enough to lash out at Israel --- nuclear ones too. Can any cause be great enough to justify the slaughter?"

اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"The answer is yes. There is no good war, but sometimes a bad peace can be worse than itself. A peace that left Saddam Hussain unchallenged in Kuwait would be trebly bad."

ان تینوں امور کی نشاندہی کرتے ہوئے وہ مزید لکھتا ہے:

"It would mean sacrificing a high principle: no country has the right to over-run and annex another. It would mean abandoning a great interest. Secure access to the oil of the Gulf, on which that prosperity of the whole world has come increasingly to depend. And, because of those two things, it would mean accepting a peace at all, merely that lull before a bigger explosion."

مذکورہ اقتباس مشرق میں پھیلائی جانے والی تعبیر یعنی "کویت پر عراق کا غاصبانہ قبضہ اور کویت کی خود مختاری کی بحالی" کی نہ صرف یہ کہ تردید کرتا ہے بلکہ اس جنگ اور اس کے دوران لائی جانے والی ساری تباہی کے جواز کی یکسر مختلف بنیاد قرار دیتا ہے۔ "کویت پر عراق کا غاصبانہ قبضہ" محض ایک پڑوسی برادر ملک پر دراز دستی اور اس کی حق تلفی کی طرف نشاندہی کرتا ہے جبکہ مذکورہ اقتباس دراصل یہ بتارہا ہے کہ مغرب اور تمام مغربی دماغ مندرجہ ذیل تین امور پر متفق ہیں انہیں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ:

(۱) عراق کا یہ عمل نظریۂ قومیت پر ضرب کاری ہے۔ یہ وہی نظریہ قومیت ہے جو عہد

وسطیٰ کے Islamic Order اسلامی نظام کے خاتمہ کے بعد سارے عالم پر قائم کیا گیا اور عہد جدید میں مغربی نظام کے تمام ترقی یافتہ ادارے اور انتظامات مثلاً اقوام متحدہ، سلامتی کونسل، ورلڈ بینک، IMF، یورپی اقتصادی منڈی، GATT، عالمی بینکاری نظام اور عالمی نجی اور عوامی قوانین جس کے رہین منت ہے۔

(۲) عراق کا یہ عمل بعض خارجی عوامل مثلاً سارے عالم میں کام کرنے والی تحریکات اسلامی کی پیدا کردہ فضا کے تناظر میں مغربی نظام کے Infrastructure پر مہلک ضرب ہے۔

(۳) اور اگر ان دونوں کاری ضربوں کو بروقت اور پوری شدت سے نہ روکا گیا تو ایک ایسا دھماکہ ناگزیر ہوگا جو سارے مغربی نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ کردے گا۔

لہٰذا مغرب کی نظر میں عراق کا یہ عمل جو خواہ صدام حسین جیسے پس منظر رکھنے والے شخص نے ہی کیا ہو اور جو بظاہر اسرائیل اور ان جیسے دیگر ملکوں کی طرح اپنے پڑوسیوں پر دراز دستی اور ان پر قبضہ ہی کیوں نہ ہو۔ سب سے الگ، دور مغرب کے لیے نہایت درجہ خطرناک تھا جسے بہر صورت برداشت کرلینا ممکن نہ تھا۔

عراقی فوج کشی کو غلط فرض کرلینے کے باوجود اگر امت اپنی بیداری اور ذمہ داری کا ثبوت دیتی تو اس عمل کے نتیجے میں برآمد ہونے والے سلسلۂ واقعات اور اس کے مضمرات و عواقب اسلام کے حق میں جس قدر معاون ہوتے اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ تاریخ کی نظر میں ایسی فوج کشی صدیوں کے بعد عالم واقعہ میں آئی۔ ایسی عزیمت مہینوں کی نہیں بلکہ صدیوں کا فیصلہ کرتی ہے۔

نظام مغرب

مغرب کے تمام دماغوں کا ایسا لگتا ہے اس بات پر اتفاق تھا کہ عراق کی کامیابی محض ایک پڑوسی ملک پر فوج کشی کا معاملہ نہیں بلکہ درحقیقت مغربی نظام کی موت کا اعلان ہے۔ اور ابھرتی ہوئی مسلم قوتوں بشمول عراقی قوت کی شکست اور اس عمل کے نتیجے میں برآمد ہونے والے سلسلۂ واقعات کو کاٹ دینا محض ایک ملک کی خود مختاری کی بحالی نہیں بلکہ مغربی نظام کو موت کے منہ سے نکال کر اسے حیات نو بخشنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ایسے کام کے لیے ہر قربانی اور کسی حد تک جانا عین صواب ہوتا۔

جملۂ معترضہ کے بطور عرض کیا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام میں رونما ہونے والے واقعات اور ان کے مضمرات و عواقب کا علم اور اس کا واضح شعور مشرق اور بطور خاص عالم اسلام کے ارباب حل و عقد کے مقابلے میں مغرب کے ارباب حل و عقد کو زیادہ ہے۔ یہ اس صدی کا بدترین المیہ ہے کہ عالم اسلامی کے بیشتر ارباب حل و عقد کے عقل و فہم کی کل پونجی اس قضیہ کے سلسلے میں انہیں جہاں تک پہنچا سکی وہ واقعہ کی وہ تعبیر تھی کہ عراق نے کویت کی خود مختاری پر حملہ کیا ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

مغربی ممالک نے اس واقعہ کو کس تناظر میں دیکھا اور اس کے عواقب کی روک تھام میں وہ کس طرح صف بستہ ہو گئے اس کا اندازہ امریکی صدر کے بیان سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ امریکہ اور اس کے حلیف ساری دنیا کی طرف سے ایک آخری جنگ (Final War) لڑ رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: The Statesman, Calcutta Dated Feb 1991)

ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم اس واقعہ کو مغربی ذہن سے بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔

Sykes Picot Agreement کے مطابق ۱۹۴۸ تک بھرپور کامیابی کے بعد مغرب کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ عالم اسلام اب کبھی خالص اسلامی روایات کی بنیاد پر کوئی معرکہ آرائی کرے گا یا مغرب کے لیے خطرہ بن سکے گا۔ مغرب کو زیادہ سے زیادہ وقتاً فوقتاً مقامی انفجارات (Local Explosions) کا اندیشہ تھا جس کے لیے انہوں نے مستقل انتظامات کر رکھے تھے۔ اگر انہیں عالم اسلام کی دائمی [illegible] میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ اسرائیل کو کبھی اس کی اجازت نہیں دیتے کہ سیاسی علامتوں سے آگے بڑھ کر دینی اور ایمانی علامتوں پر دراز دستی کرے اور ان کو تباہ کرنے کی کوشش کرے جو اس نے ۱۹۶۷ اور ۱۹۶۹ میں کیا۔ مسجد اقصیٰ پر قبضہ اور اسے جلا ڈالنے کی کوشش ممکن ہے اخبار بین حضرات کے لیے محض دو خبریں ہوں مگر تاریخ اور فلسفۂ تاریخ تک رسائی رکھنے والے افراد کے لیے دو ایسے غیر معمولی واقعات ہیں جو صدیوں کے بعد رونما ہوتے ہیں اور صدیوں کی تبدیلیوں کا رخ متعین کرتے ہیں۔ ان واقعات کے رد عمل کے بطور جو کچھ ظہور پذیر ہوا اس نے مغرب کو اپنے انتظامات کے سلسلے میں کسی قدر مطمئن کر دیا۔

اہل مغرب اس خواب غفلت سے اس وقت اچانک بیدار ہوئے جب ۱۹۷۳ میں بظاہر ان کے ہی کیمپ کے ایک معتمد اور وفادار نے ان پر پہلی کاری ضرب لگادی۔ یہ واقعہ تھا شاہ فیصل

مرحوم کی قیادت میں OPEC کا مغرب کو تیل کی فراہمی پر پابندی۔

مغرب نے ۱۹۲۴ کے بعد گویا پہلی بار محسوس کیا کہ اسلامی روایات کی حمیت زندہ ہی نہیں موثر بھی ہے۔ مغرب کی نظر میں یہ موت کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔

اس واقعہ کے باوجود مغرب اسلامی قدروں کو متحرک تسلیم کرنے اور حقیقی خطرہ (Actual Danger) باور کرنے میں تامل کر رہا تھا کہ دوسرا عظیم واقعہ رونما ہوا۔ یعنی ایران کا انقلاب جس کی بنیاد شیعی فقہ پر ہی سہی مگر اسلامی قدروں پر قائم تھی۔ اس واقعہ نے مغرب کے ذہن پر پڑے سارے پردوں کو ہٹا دیا۔

عالم اسلام ـــــ جو اپنی جگہ خواہ کسی نظام سے متعلق ہوں اور کیسے ہی حکمرانوں کے ذریعہ چلائے جا رہے ہوں ـــــ مغربی نظام کے لیے حقیقی خطرہ تسلیم کر لیا گیا۔

لیکن عالم اسلام میں پیدا ہونے والی اس صورت حال سے نبٹنا اور اسے کلیتاً ختم کرنا اب مغرب کے لیے بوجوہ ناممکن تھا تاوقتیکہ معاصر نظام کے زبردست انتظامات کے تحت دنیا کے نقشے میں چند بنیادی سیاسی، مادی، ثقافتی اور عسکری تبدیلی نہ کر لی جائے۔ ایسی غیر معمولی تبدیلی بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں تو ممکن تھی لیکن اب تقریباً ناممکن ہو گئی ہے۔ ہاں البتہ مغربی قوتیں اپنے سارے وسائل اور ساری قوت مجتمع کر کے اس کی کوشش ضرور کر سکتی تھیں۔

مغرب تاریخ کے جس موڑ پر آ کھڑا ہوا ہے اسکے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا اس نے سارے گھروندوں کو توڑ کر ایک حقیقی اور ہمہ گیر متحدہ محاذ بنانے کی کاروائی کا آغاز کر لیا جسے یک قطبی نظام کہتے ہیں۔ ہاں تیسرے درجے کے دماغوں کے لیے یہ شور برپا کرنا کچھ تعجب خیز نہیں کہ اشتراکیت ناکام ہو گئی ہے اور یہ کہ جمہوریت اس کی جگہ لیتی جا رہی ہے۔

مغرب کا مطلوبہ یک قطبی نظام پلک جھپکتے عالم وجود میں آ جائے کچھ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ایک ہمہ گیر یک قطبی نظام کے قائم ہونے سے قبل وقتی تدابیر کے بطور کچھ امور تجویز کیے گئے جن سے حقیقی خطرہ قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ ذیل میں چند ایسی وقتی تدابیر درج ہیں جو کسی حد تک سامنے آ چکی ہیں۔

(۱) کیمپ ڈیوڈ معاہدہ (۲) ایران عراق جنگ (۳) ترکی کا فوجی انقلاب (۴) افغانستان میں روسی فوج کشی اور طویل جنگ (۵) پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے قیام میں تاخیر کی کوششیں اور صدر ضیاء الحق کا خاتمہ (۶) سوڈان کی خانہ جنگی (۷) وسطی ایشیا کی مملکتوں پر عسکری کاروائی وغیرہم۔

جنگی اصطلاح میں سلمان رشدی کے شیطانی آیات کی اشاعت پر ایک Probing Attack تھا۔

مغرب کے اپنے اندازے کے مطابق ان کا یک قطبی نظام کا قیام عملی طور پر ۱۹۹۳ کے اواخر سے قبل مکمل ہونا ناممکن تھا۔ اور اس مدت کے دوران دنیا میں کوئی ایسی بات جس کے مضمرات ایک طرف اس وجود پذیر یک قطبی نظام کو درہم برہم کردے اور دوسری طرف اسلام کے حقیقی خطرہ کو بے قابو کردے مغرب کے لیے موت ہوتی۔

ٹھیک یہی وقت تھا جب عراق نے کویت پر فوج کشی کردی۔ عراق کا کویت پر قبضہ خواہ کسی مقصد کے تحت ہو اس میں وہ دونوں باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں جو مغرب کو موت سے ہمکنار کرسکتی تھی۔ اگر عالم اسلام تیل کی عالمی قیمتوں اور اس کی پیداواری سطح کو اپنی مرضی کے مطابق صرف ایک سال تک متعین کرنے پر قادر ہو جاتا تو وہ دونوں باتیں حاصل ہو جاتیں۔

ایسی حالت میں جب کہ عالم اسلام ــــــ مراکش سے فلپائن تک ــــــ سیاسی، مالی، مادی، روحانی، فکری اور تحریکی اعتبار سے جن حالات سے گزر رہا ہے ــــــ عالم اسلام کے اندر سے کوئی عنصر ــــــ خواہ وہ صدام حسین ہی کیوں نہ ہوں ــــــ کا کوئی عمل مغرب کے لیے اتنے ہی خطرناک عواقب لا سکتا ہے جتنا کسی اسلامی روحانی شخصیت اور اسلامی بنیادوں پر قائم ملک کا عمل ــــــ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ معاصر نظام اور مغربی قوت کو چیلنج کا لازمی طور پر ہی نتیجہ برآمد ہو گا جو ساری دنیا کی تحریکات اسلامی کا مرکزی نصب العین ہے یعنی "یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون" جسے مثبت طور پر کلمة اللّٰه ھی العلیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں نظام شریعت کا نفاذ ہو یا سوڈان میں، افغانستان میں اسلامی نظام کا قیام ہو یا ترکی میں باخبر لوگ جانتے ہیں کہ اب اس راہ میں سوائے عالمی ائمة الکفر کے کوئی حائل نہیں۔ اور جلد یا بدیر کوئی براہ راست مقابلہ ہی انہیں راہ سے ہٹا سکتا ہے۔

آج سے بیس پچیس سال قبل عالم اسلام کے حکمراں مغرب کا راگ الاپتے تھے اور ان کی زبان میں کلام فرماتے تھے۔ اس لیے کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کی قوت کا سرچشمہ مغرب میں تھا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔ اب عالم اسلام میں پائے جانے والے آمر بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی قوت کا سرچشمہ ان کے عوام ہیں۔ مغرب کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ اب وہ نظام کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ اس سے واقف ہے کہ عالم اسلام کے حکمراں

خواہ کچھ ہوں اور وہ اپنی اپنی جگہ کیسا ہی نظام چلا رہے ہوں ــــــ پچھلے پچاس سالوں کا ذہنی سفر یہ بات تقریباً یقینی بنا چکا ہے کہ ــــــ ان کے عوام کی قوت کا سرچشمہ حقیقی اسلام ہے۔ چنانچہ مغرب کو یقین ہے کہ ان کے نظام کو خواہ کسی کے ذریعہ چیلنج دیا جائے اور کسی کا تیشہ اسے منہدم کرے ان کا انہدام بالآخر اسلامی نظام کے قیام پر منتج ہوگا۔ اور جب آنے والی قوت کا سرچشمہ کسی نظام میں ہو ــــــ اور وہ بھی اسلام میں ــــــ تو پھر یہ عین ممکن ہے کہ مغرب ہزار سالوں تک سطح عالم سے معدوم ہو جائے۔

پھر اس سے آگے صدام حسین جیسے افراد حکمت عملی اور عسکری ذہن رکھنے کے اعتبار سے ان اسلامی شخصیتوں کے مقابلے میں مغرب کے لیے زیادہ خطرناک ہوں گے جو خالصتاً سیاسی علمی یا دینی پس منظر کے حامل ہیں۔ خواہ وہ تحریکی ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ حالیہ تجربوں نے مغرب کو باور کرلیا ہے کہ یہ سیاسی علمی یا دینی افراد خواہ فکری طور پر مغرب کے لیے کتنے ہی Potential Danger کیوں نہ ہوں لیکن ان میں مغربی نظام سے متاثر ہونے اور بے یقینی اور نزاکت کے انتہائی مرحلوں میں مصالحت کی راہ اختیار کرنے کی کمزوری بہر حال پائی جاتی ہے جبکہ عسکری ذہن رکھنے والی شخصیتوں کا دائرہ بہت محدود ہوا کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں جو شئے کل عالم اسلام کے عسکری افراد کو Tempt کرتی تھی اور جس کے مغرب پورے مواقع فراہم کرتا تھا وہ اب مغرب کے لیے سب سے زیادہ Counter Productive بن گیا ہے۔

جہاں تک یکم جون ۱۹۹۰ تا یکم مارچ ۱۹۹۱ کا عرصہ ہے جس کے دوران بغداد کانفرنس برائے فلسطین کا انعقاد، کویت پر عراق کی فوج کشی اور قبضہ، امریکی اور دیگر مغربی افواج کی خلیج میں آمد، قاہرہ کی عرب لیگ کانفرنس کا انعقاد اور ناکامی، عراق کی مکمل ناکہ بندی، نومبر ۱۹۹۰ کی اقوام متحدہ کی قرارداد جنگ اور پھر فضائی بحری اور بری جنگ جیسے واقعات رونما ہوئے یہ بات ابھر کر سامنے آئی کہ امت مسلمہ کے ارباب حل وعقد عام طور پر اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے۔ ہر چند کہ ایسے نازک موقع پر جب کہ پوری امت صدیوں کے بعد ایسے نازک بحران سے دوچار ہوئی تھی، انہوں نے جو کچھ تگ ودو کی اور جس طرح مغربی اقوام کو اپنے عزائم پورے کرنے کا موقع نہیں دیا باخبر لوگوں سے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن یہاں غور کرنے کی دو سطحیں ہیں۔ اولاً یہ کہ اس بحران کے اٹھ کھڑے ہونے کے بعد امت کے ارباب حل وعقد نے کیا فوری تدابیر کیں تاکہ امت کی حفاظت ہو۔ ثانیاً اس بحران سے قبل جب مغرب اپنے عزائم کی تدابیر کر رہا تھا ہمارے

حکمرانوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اور امت کے وسیع تر مفاد میں کیا ٹھوس اقدامات کیے۔

واقعہ یہ ہے کہ پہلے امر پر امت کے ارباب حل و عقد نے جو تگ و دو کی ہے وہ مجموعی طور پر حیرتناک اور قابل ستائش ہونے کے باوجود بنیادی طور پر افسوسناک ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے اکثر وہ لوگ جو حکمراں تھے ان کی ساری کوششوں کی اساس میں بزدلی اور خود غرضی کارفرما تھی۔ اور جہاں تک دوسرے امر کا معاملہ ہے تو عالم اسلام کے اکثر حکمراں اس میں زبردست کوتاہیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور بطور خاص خلیج کے بعض عرب ممالک جو تیل کی دولت سے مالا مال ہیں ان کی جو کچھ روش رہی تھی اس سے کسی نہ کسی دن ساری امت کو ایک سنگین بحران سے دوچار ہونا ہی تھا۔ وہ خود بھی ذلیل و رسوا ہوئے اور ساری امت کو سخت ضیق میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ بلا شبہ ہر جگہ استقامت اور حق پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ اور یہی اس عرصے کا خوش آئند پہلو ہے۔

اس جنگ نے پوری امت کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جہاں یہ فیصلہ ناگزیر ہے کہ ماضی قریب کی کہانی ہمیشہ کے لیے ختم کر کے مستقبل میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ نازک بھی ہے غمناک بھی اور مسرت آگیں بھی۔ نازک اس لیے کہ عالم بحر سکرات سے دوچار ہو چکا ہے، غمناک اس لیے کہ امت کے Elite کی کوتاہیوں نے فتح مبین کو مؤخر کر دیا اور مسرت آگیں اس لیے کہ مستقبل بہر حال امت مسلمہ کا حصہ ہے۔

خاص صورت حال

(۱) اسلام اور امت مسلمہ کے حقیقی جذبات کی نفی کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی دیرینہ امنگوں کو کچلتے ہوئے عالم اسلام کے بعض ممالک اور بطور خاص تیل پیدا کرنے والے ممالک کے حکمرانوں کے ایسے اقدامات اور ایسی روش جن کا مقصد داد عیش دینا اور اپنے اقتدار کو استحکام بخشنا تھا کا براہ راست نتیجہ ہے کہ امت اس بحران سے دوچار ہوئی۔ خلیج کے ممالک اپنی فتح کے بلند بانگ دعووں کے باوجود جس سزا سے دوچار ہوئے ہیں وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جس کے یہ سزاوار تھے۔ شاید اس کی وجہ اللہ کا وہ فضل ہے جو وہاں کے عوام کی اسلامی وابستگی کے سبب ان پر عام ہے۔

اپنے اپنے دائرہ اختیار میں روح جہاد کو کمزور تر کرنا، اسلامی قدروں کی حقیقی بازیافت کرنے والی قوتوں کو تہ نشین کرنا، عوام و خواص میں اسلامی حمیت کے بجائے تن آسانی تنعم اور عیش پسندی

کو پروان چڑھاتا اور اپنے اپنے ملک میں موثر فوج نہ رکھ کر کفار و مشرکین کو اپنی حفاظت کا ٹھیکہ دینا ان حکمرانوں کی سوچی سمجھی اسکیم اور ایک ضرورت تھی۔ شاید پہلی بار ان پر اپنے "اجتہاد" کی حقیقت منکشف ہوئی ہوگی کہ یہودیوں کے مالی ایمپائر ـــــــ جن کے بھونڈے طریقے سے تقلید کرنے کا تہیہ ان حکمرانوں نے کیا تھا ـــــــ کی حقیقی قوت کا سرچشمہ ان کی دولت نہیں بلکہ اس مالی ایمپائر کی حفاظت کرنے والی عسکری صلاحیت ہے۔ باخبر حلقوں میں یہ بات چنداں موضوع بحث نہیں کہ سعودی عرب اور کویت کے حکمرانوں نے مغربی افواج کو بلایا یا وہ خود آدھمکیں جنہیں روکنے اور جن کے اقدامات پر قدغن لگانے کی ان میں تاب نہ تھی۔

(۲) معرکۂ خلیج کی حقیقی سطح اسلامی نشاۃ کے اس موسم کو روکنا تھا جو رباط سے منڈاناؤ تک کروڑوں عوام کی دوش پر آرہا ہے۔ صدام حسین کی کاروائی اپنے طور پر کسی مقصد کے پیش نظر کیوں نہ ہو وہ ایک ایسے نفق کے کھولنے کے مترادف ہوتی جس سے آناً فاناً مغربی دنیا تہہ و بالا ہو جاتی۔ مسلم حکمراں بحیثیت مجموعی اس نفق کو کھلا رکھنے سے دست کش رہے۔

(۳) صرف یہی نہیں کہ نفق کو کھلا رکھنے میں ان حکمرانوں نے کوئی تعاون نہیں کیا بلکہ عملاً غیر جانبدار بھی نہیں رہے بلکہ اسے بند کرنے کی مغربی کوششوں میں عسکری حیثیت سے نہ سہی لیکن سیاسی اخلاقی اور قانونی حیثیت سے شریک رہے۔ اور ایسا کرنے میں انہوں نے اپنے عوام سے زیادہ مغرب اور اپنے مفادات کا پاس کیا۔

(۴) ایک طرف جہاں امت میں پائے جانے والے وسائل کے دروازے عراق کے لیے بند تھے وہیں دوسری طرف ساری دنیا بشمول مسلم ملکوں میں پائے جانے والے وسائل کے دروازے مغرب کی ان کوششوں کے لیے چوپٹ کھلے تھے جو وہ اسلام اور مسلمانوں کو قابو میں رکھنے کے لیے کر رہے تھے۔

(۵) مغرب اور بطور خاص امریکہ نے ہر اس کوشش کو سبوتاژ کیا جس سے یہ مسئلہ پرامن طریقے سے حل ہو جاتا اور مسلم حکمراں دم سادھے بیٹھے رہے۔

(۶) جنگ نے اس کا شدید احساس دلایا کہ OIC کی موجودہ ہیت امت کی ضرورت نہیں۔

(۷) ایسی صورت حال میں عراق نے جس طرح حالات کا مقابلہ کیا وہ ابھرتی ہوئی قوموں کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ عراق پوری امت بشمول کویت و سعودی عرب کی لڑائی عملاً یکہ و تنہا لڑتا رہا جبکہ مشرق و مغرب کی ساری اسلام دشمن قوتیں امت مسلمہ کے خلاف اپنی لڑائی متحد

ہو کر لڑ رہی تھیں۔ ۴۵ دنوں کی یہ لڑائی عراق کی اعلیٰ ترین کارکردگی کا نمونہ تھی۔ صیہونیت کی قائم کردہ Mechanical Solidarity کے غبار چھٹ جائیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ میدان کس کے ہاتھ رہا۔ اس میں چنداں دو رائے نہیں کہ عراق کی پامردی، استقامت اور بیدار مغزی نے ایک نیا باب کھولا ہے جو آئندہ برسہا برس تک نئے قافلوں کے لیے نشان راہ ثابت ہو گا۔ عرب خواہ وہ کویت میں ہوں یا سعودی عرب میں کی نفسیاتی زادِ راہ بھی پامردی ہے۔ تاریخ یہ بات کبھی فراموش نہیں کرے گی کہ امت جو ایک کل ہے اور جس پر مغربی اور اسلام دشمن صیہونی اور دیگر قوتوں نے حملہ کیا تھا اور کویت، سعودی عرب اور عراق نام کے تین محاذ کھولے تھے ان میں امت کو سب سے کم نقصان اسی محاذ پر ہوا۔ دشمن کو سب سے زیادہ خسارا اسی محاذ پر اٹھانا پڑا۔ گزشتہ کئی صدیوں کی تاریخ میں یہ ایک نادر مثال ہے جس کی نظیر نہیں۔ عامۃ الناس کے لیے یہ ایک معمہ ہے لیکن تاریخ اور عسکری ماہرین بخوبی جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

دوسرا مرحلہ

اب جبکہ پہلا مرحلہ ختم ہو چکا ہے اور تاریخ دوسرے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے امت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لے اور آئندہ کے اقدامات پر غور کرے۔ مزید ازیں مستقبل میں ظاہر ہونے والے امکانات و خدشات کے پیش نظر ضروری تدابیر اختیار کرے۔

بلاشبہ امت اس معرکہ میں اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی ہاں دشمنوں کے ذریعہ پہنچائی جانے والی ضربوں کی قوت اور اس کی ہلاکت کو کم سے کم کرنے میں یقیناً کامیاب ہوئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب و علل تھے جن کا یہ نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) بعض مستثنیات کے ساتھ بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کے Elite مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنے اور مناسب کاروائی کرنے میں ناکام رہے جن کے پیچھے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں۔

(ا) مسلم ملکوں کے حکمراں ہوں یا مسلم اداروں کے ذمہ داران ان میں مغرب اور اس کی بظاہر گوناگوں قوت سے مرعوبیت عام ہے۔

(ب) بعض تحریکات اسلامی میں بطور خاص پایا جانے والا وہ Syndrome جس کے

زیر اثر ان میں شعور کی سطح پر مغرب سے بعد اور اختلاف پایا جاتا ہے مگر لاشعور کی سطح پر قرب اور احساس خوشہ چینی ــــــ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی تحریکیں اور ان کے افراد حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ اور اب ان میں وہ نظر نہیں جو باطل کو ہزار پردوں کے اندر بھی پہچان لے۔

(ج) مسلم حکمرانوں کی بڑی تعداد میں روح جہاد سے شدید خوف کا پایا جانا۔

(د) ایسے نمایاں اور اکابر علماء جو عوام اور حکمرانوں کے مابین رابطہ ہیں خواہ وہ عالمی حیثیت کے مالک ہی کیوں نہ ہوں کے اندر حقیقی روح جہاد کا مردہ ہو جانا۔

(ہ) اکثر تحریکات اسلامی میں محض مغرب کی نقالی میں رواج پانے والے ابلاغ عامہ جو اپنی اصل کے اعتبار سے سرتاپا مغرب ہی کا عکاس ہے۔

(۱) گزشتہ بیس سالوں سے تحریکات اسلامی کے افراد کا تیل پیدا کرنے والے ممالک کے پھیلائے ہوئے کاموں میں جذب ہونا۔

(۲) امت مسلمہ میں فکری، عملی، مالی اور ثقافتی سطح پر بعض ایسی کوششوں کا برگ و بار لانا جن کا مقصد امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے سے زیادہ عالمی وحدت پیدا کرنا ہے۔

(۳) بعض مسلم حکمرانوں کا اب تک اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھنا۔

(۴) ساری دنیا میں کام کرنے والے مسلم دینی، علمی، ثقافتی اور سائنسی اداروں میں بلاواسطہ اور بالواسطہ اسلام دشمن قوتوں کا نفوذ اور مختلف طریقوں سے اسلامی قوتوں کو قابو میں رکھنا۔

آئندہ کشمکش

ایسی صورت حال میں اب ایک ایسی کشمکش کا آغاز ہونے والا ہے جو مغرب کے لیے موت و حیات کی لڑائی کے مانند ہے۔ مغرب کی اسلام دشمن قوتیں اس بات کی پوری کوشش کریں گی کہ اسلامی قوت شکست و ریخت سے دوچار ہو جس کے لیے وہ مندرجہ ذیل کوششیں کر سکتی ہیں۔

(۱) عالم اسلام میں موجود یا آئندہ پیدا ہونے والی قوت (Potential) کا خاتمہ ہو۔ یہ قوت (Potential) مالی، مادی، نفری، ثقافتی، عسکری، Strategic یا Logistic کسی قسم کی ہو سکتی ہے۔ بطور خاص عراق، پاکستان، ایران، مصر اور ترکی کے Potential کی تباہی یا تحدید کا عمل زور پکڑ لے گا۔

(۲) وسطی ایشیا کے مسائل کو روس کے حق میں حل کرنے اور وہاں کی اسلامی قوتوں کو

قابو میں رکھنے کی جدوجہد میں مغرب روس کی بھرپور مدد کرے گا۔

(۳)اقوام متحدہ کو مزید موثر بنایا جائے گا تاکہ امت مسلمہ میں پیدا ہونے والا اتحاد جس سے مغرب کو شدید خدشات لاحق ہیں زور نہ پکڑے۔

(۴)گولان کی پہاڑیوں، غزہ پٹی اور غرب اردن کی بحالی کے لیے عنقریب اقدامات ہوں گے جن کا مقصد فلسطینیوں کے حقوق کی بحالی نہیں بلکہ اسرائیل کے وجود کو استحکام بخشنا ہے۔ اس لیے کہ ان علاقوں پر قبضہ برقرار رکھنا اب اسرائیل کی سلامتی کی ضرورت نہیں بلکہ ان پر قبضہ اسرائیل کے وجود کے لیے Counter Productive ہو چکا ہے۔

(۵)ایسی زبردست کوششوں کا آغاز جن سے امت مسلمہ میں پائے جانے والے علمی اور معاملاتی ادارے کلیتاً عالمی نظام کے اداروں سے مربوط ہو جائیں۔

(۶)مختلف ملکوں میں تحریک اسلامی کے اندر تطہیر کے لیے بلاواسطہ اور بالواسطہ دباؤ سخت ہوگا جنہیں بیشتر تحریکیں برداشت نہیں کر سکیں گی اور مصالحت کے لیے آمادہ ہو جائیں گی اور یہ اس وجہ سے ہوگا کہ گزشتہ دہائیوں میں تحریکیں غیر ضروری، غیر فطری اور غیر معمولی پھیلاؤ کی طرف گئیں ہیں جن کا بوجھ ان کے حقیقی پاؤں سنبھالنے سے قاصر ہیں۔

(۷)اقامت دین کی حقیقی کوشش کرنے والوں کے لیے سخت دن آنے والے ہیں۔ مغرب انہیں ہر سطح پر Marginalise کرنے کی کوشش کرے گا۔

(۸)ایسی تحریکات اسلامی اور اسلامی ادارے وجود میں لائے جائیں گے جن کا مقصد بچی کھچی غیر مربوط اسلامی قوتوں کو معاصر عالمی نظام سے مربوط کرنا ہو۔

(۹)مسلم عوام میں ایسے ثقافتی انقلاب کی کوشش کو فروغ کی جائے گی جن کا مقصد اسلامی قدروں، روایات و تلمیحات سے ان میں اجنبیت پیدا کرنا ہے۔

(۱۰)ابلاغ عامہ کے بعض مخصوص شعبوں مثلاً CNN یا CBS News کے ذریعہ سارے عالم اسلام میں میکانکی اتحاد Mechanical Solidarity قائم کرنے کی کوشش۔

(۱۱)اور میانے اور نچلے درجے کے علماء پر بعض اکابر کر حکمرانوں میں معروف علماء کی طرف سے دباؤ ڈالا جائے گا تاکہ وہ عوام کو قابو میں رکھیں۔

(۱۲)گزشتہ برسوں کے بالکل برعکس عالم اسلامی کے فوجی حکمراں اور عسکری طبقہ مغرب کے لیے سخت ناپسندیدہ قرار پائے گا اور اس بات کی بھرپور کوشش ہوگی کہ عالم اسلامی میں مغربی

جمہوریت کی ہر کوشش کو خوب خوب سراہا جائے اور انہیں استحکام بخشا جائے۔ مسلم ملکوں کی فوجوں سے گزشتہ دہائیوں میں جتنے بد طینت افراد منصۂ شہود پر آئے ہیں اب رفتہ رفتہ اتنے ہی اچھے افراد سامنے آنے کے سارے امکانات روشن ہیں جس کا سبب دراصل فوج کی قوت کے سرچشمہ کی تبدیلی ہے۔

(۱۳) مشرق وسطیٰ میں ایک ایسے نظام کے قیام کی کوشش ہو گی جس کی اصل قوت اسرائیل کے پاس ہو گی۔

(۱۴) اسرائیل اپنے رویے میں ایسی لچک پیدا کرے گا جس سے دراصل یہ باور کرانا مقصود ہو گا کہ اسرائیل اور اس کے ہمسایوں کے مابین بقاء باہم کے امکانات تاریک نہیں۔ اسرائیل کو فوجی اور سیاسی سطح پر ہی نہیں بلکہ دینی سطح پر بھی قابل قبول بنانے کی کوشش ہو گی۔

(۱۵) اقامت دین کی ایسی تمام کوششوں کو تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا جو اپنے دائرہ کار کو اپنے اپنے ملکوں تک محدود رکھنے کی کوشش کرتی ہوں اور مغربی قومیت کی قائم کردہ دیواروں کو منہدم کرنے سے محترز ہوں۔

ممکن ہے اس کے لیے ذیل کے کسی طریقے کا استعمال کیا جائے:

(۱) امت کے بعض مسالک و مذاہب جو خلافت کے مسئلے پر سواد اعظم سے مختلف ہیں کہ بعض لوگوں کو آلۂ کار بنا کر خلافت کی ایسی تاویل کی جائے گی کہ امت کا سواد اعظم ذہنی طور پر انتشار کا شکار ہو جائے۔

(۲) بعض حلقوں کی طرف سے خلافت کو از سر نو زندہ کرنے کے بجائے اس انتظام کو کافی اور متبادل قرار دینے کی کوشش ہو گی جو OIC کے طریقے پر قائم ہے۔ جس میں اسلام دشمن قوتوں کے نفوذ کے تمام امکانات اور گنجائشیں موجود ہیں اور جس کی ساخت بنیادی طور پر اسلامی سے زیادہ مغربی ہے جو امت مسلمہ کی امنگوں کی تکمیل کبھی نہیں کر سکتی ہے۔

(۳) ممکن ہے کسی مرحلے میں امت مسلمہ کے شدید اصرار کو دیکھ کر یا ان کے مابین موثر رجحان کا خوف محسوس کر کے Peremptive Strike کے بطور از خود ایسی خلافت کے قیام کو ہوا دی جائے یا عملاً قائم کر دی جائے جیسی کچھ خاتمہ خلافت عثمانیہ کے زمانے میں آغا خان چاہتے تھے۔

ان اندیشہ ناک حکمت عملیوں کے باوجود اس بات کے بھرپور امکانات موجود ہیں کہ امت مسلمہ آئندہ دنوں میں استحکام کی طرف پیش قدمی کرے گی اور امت مسلمہ کی مجموعی قوت اور اس کا موثر اور متحد اظہار اسلام دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دے گا۔

ایسے متوقع عمل اور رد عمل کے امکانات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) حالات کی موجودہ تبدیلی امریکہ اور جرمنی اور جاپان میں مزید بعد پیدا کرے گا جس سے مغربی اقوام اختلاف کا شکار ہو جائیں گے۔

(۲) مغربی قوتوں کی ان سازشوں کے نتیجے میں پوری امت مسلمہ سخت کرب کا شکار ہو جائے گی اور امت میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوں گی جو درج ذیل اقسام کی ہو سکتی ہیں:

(الف) امت میں طبقاتی تبدیلی کا عمل ظاہر ہو گا۔ موجودہ نمایاں طبقات آنے والے دنوں میں پس منظر میں چلے جائیں گے۔ لیکن یہ تبدیلی امت مسلمہ کے سواد اعظم کی پسند و ناپسند کی سطح پر ہو گی۔ سواد اعظم کا امنگوں کا سیلاب پوری امت کو بہا لے جائے گا۔

(ب) امت مسلمہ میں موجود علماء و مشائخ کا وہ طبقہ جو علائق دنیا سے جس قدر آزاد ہو گا وہ آنے والے دنوں میں مغرب کے خلاف جدوجہد میں اتنا ہی بالغ نظر، صحیح نتائج اخذ کرنے والا، فعال اور بہتر فیصلہ کرنے والا ثابت ہو گا۔

(ج) تیل سے مالا مال ملکوں کے حکمراں خواہ کسی رخ پر جائیں عام عرب حمیت کے لیے مغرب ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ اور عنقریب مشرق وسطیٰ کے کسی طاقتور سے طاقتور حکمراں کے بس سے باہر کی بات ہو گی کہ اس عربی حمیت کے سیلاب کو روک سکے۔

حاصل تجزیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ آنے والی گھڑی سخت آزمائش کی ہو گی اور دوسرا مرحلہ پہلے مرحلے سے زیادہ جاں کاہ ہو گا جنگ بہر حال امت مسلمہ کی فتح پر منتج ہو گی۔ اس کی دو علامتیں اسی مرحلے میں واضح طور پر نظر آنے لگی ہیں:

پہلی علامت یہ ہے کہ اسلام دشمن عالم اسلام کو جتنا نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے امت کی ۹۰ سے ۹۸ فیصد Potential بحمد للہ محفوظ ہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ آئندہ دنوں میں امت مسلمہ کے Potential کو زیر کرنے والی قوتوں سے زیادہ طاقتور قوت امت بروئے کار لانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اور اس کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں۔

اور ان تمام باتوں کی اصل یہ ہے کہ آئندہ ماہ و سال کی حقیقت ایک Lull سے زیادہ کچھ نہیں اور واقعتاً پوری امت مسلمہ اس عظیم سفر پر روانہ ہو چکی ہے جسے ام المعارک کہتے ہیں۔

✪✪✪

ضمیمہ دوم

عالمی نظام ابلیس ٥

تہذیب حاضر جسے آرنلڈ جے ٹائن بی (۱۹۷۵۔۱۸۸۹) نے "دورِ حاضر" اور علامہ اقبال (۱۹۳۸۔۱۸۷۷) نے "عالم پیر" کہا ہے آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ مرحلہ اس کی موت یا نشاۃ ثانیہ میں سے کسی ایک بات کا فیصلہ کردے گا۔

زمانہ ہمہ دم متبدل و متغیر ہے۔ لیکن ہر تبدیلی یکساں نہیں۔ بعض تبدیلیاں جو صدیوں کے بعد رونما ہوتی ہیں صدیوں کا فیصلہ کرتی ہیں۔ تہذیب حاضر کا نئے نظام عالم کی طرف سفر ایک ایسی ہی تبدیلی کی کوشش ہے۔ اسکی تفہیم آسان نہیں۔ ممکن ہے حالات کی سنگینی اور پیچیدگیوں کے پیش نظر چند نئے الفاظ و اصطلاحات کا سہارا لینا پڑے۔

یوں تو شیطان کی کارروائیاں انسانی تاریخ کی ابتداء سے ہی جاری ہیں اور شیطان نے شرک کی اشاعت و افزائش کے لیے باضابطہ کوششیں کی ہیں لیکن اس کی منظم کوششوں کا اظہار اس وقت ہوتا رہا ہے جب اس نے انبیائی تحریکوں کی مخالفت کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نظام شر کا اتنا ہمہ گیر عمل دخل، جیسا کچھ آج کل ہے، تاریخ انسانی میں شاید ہی دیکھا گیا ہے۔ شیطان کا پیدا کردہ فساد شش جہات بلکہ انفس و آفاق کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ خشکی، تری، فضائے بسیط، جہانہائے نباتات و حیوانات و جمادات، نسل، اخلاق، جسم و روح شاید ہی کوئی اس کی شکست و ریخت سے محفوظ ہو۔ ہر کوئی دو نیم ہر کوئی نیم جاں ہر شے فساد زدہ ہو چکی ہے۔ مغرب کی خلق کردہ تہذیب حاضر اسی نظام شر کی نمو ہے جس کی فساد انسانی زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی پہلو کو بری طرح متاثر کر رہا ہے۔

لیکن اس وقت جس نئے نظام عالم کی بات کی جا رہی ہے اور جس کا واضح ترین خاکہ سابق صدر امریکہ جارج بش نے ۱۳ر اپریل ۱۹۹۱ء کو پیش کیا ہے وہ اس نظام شر کی بدترین شکل ہے جو عنقریب ساری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے کا عزم رکھتا ہے۔

ملٹری کالج الاباما (Military College, Alabama) میں تقریر کرتے ہوئے صدر امریکہ نے نئے نظام عالم کے خدوخال بیان فرمائے ہیں۔ الفاظ کے دروبست کے اعتبار سے وہ نظام عالم سترھویں تا بیسویں صدی کے مغربی نظام عالم کے بالکل بالعکس نظر آتا ہے اس لیے کہ

---

٥ تحریر: یکم مئی ۱۹۹۱

اس میں بظاہر نظریہ 'قومی ریاست (Nation-State Theory) کی مخالفت اور اس کا انہدام نظر آتا ہے۔ یہ نیا نظام ریاست اور اس کے عناصر ترکیبی ـــــ آبادی، زمین، حکومت اور خود مختاری کی بالکل نئی اور نظریہ 'قومی ریاست کی تشریحات کے بالکل برخلاف تشریح کرتا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں ہوگا کہ نیا نظام عالم قومی ریاست کے نظریہ کا خاتمہ ہے بلکہ اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ہرچند کہ اس کی تفصیلات سے آئندہ بحث کی جائے گی سردست بحث کے موضوعات صرف دو امور ہیں:

اولاً نیا نظام عالم کیا ہے؟ اور ثانیاً اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

جہاں تک دوسرے عنوان کا تعلق ہے تو یہ بات پورے اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام اور نئے نظام عالم میں کوئی ایک ہی روئے زمین پر زندہ رہ سکتا ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نئے نظام عالم کے برپا ہونے اور قائم رہنے کی صرف ایک شرط ہے اور وہ ہے اسلام اور اسلامی نظام کی انفرادی اور اجتماعی ہر ہیت کا خاتمہ اور ایسا اس لیے کہ اسلامی ہیئتوں کے ساتھ نئے نظام عالم کی میکانزم تقریباً ناممکن العمل ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ نیا نظام عالم نظام شر کی منظم ترین کوششوں کا اظہار ہے۔ اس کی سنگینی، اور اس کی بہتر تفہیم کے لیے اس کا صحیح نام عالمی نظام طاغوت ہو سکتا ہے۔ اس کی اصل تو انکار توحید ہے مگر اسکے مظاہر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ہیں جن کا تعلق حیات انسانی کے ہر شعبے سے ہے۔ صدر امریکہ نے اس کی ہیت کذائی کے لیے ان اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جن کا تعلق علم سیاسیات یا تاریخ سے ہے۔ لہٰذا آئندہ سطور میں اسی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اور ایسا کرنا بآسانی تفہیم کے لیے ضروری بھی ہے۔

یہودی ذہن

ہرچند کہ یہ بات دہرانے کی نہیں کہ مغربی تہذیب اور مغربی فکر و نظر اور اسکی ماضی قریب اور عہد حاضر میں پائی جانے والی شکلوں کے پیچھے عالمی یہودیت کا دماغ ہے لیکن کم از کم پچھلی دو صدیوں میں اور آج بھی اس کی علمبردار اینگلو سیکسن قوم (Anglo-Saxons) رہی ہے۔ مسلمانوں کے سوا دنیا کی تمام قوموں کی قسمت میں حاشیہ برداری کے سوا کچھ نہیں اس لیے اس نظام عالم سے پنجہ آزمائی کی ضروری شرطیں سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم پوری نہیں کرتی۔

گزشتہ دو سالوں سے اس عالمی نظام طاغوت کی یورش ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہو گئی ہے۔ جس کے سبب اس کی تفہیم دشوار تر امر ہے۔ اس نئے نظام عالم کی داغ بیل تجرباتی طور سے جنگ عظیم اوّل کے دوران ڈالی گئی۔ لیکن باضابطہ کاروائی کا آغاز دوسری جنگ عظیم کے مابعد ہوا۔ ۱۹۴۵ سے ۱۹۸۰ تک نیا نظام عالم ایام طفولیت سے گزر رہا تھا۔ ۱۹۸۰ سے ۱۹۸۵ کی مدت تاریخ ساز کہی جا سکتی ہے جب نئے نظام عالم کو برپا کرنے والی قوتوں نے اہم ترین فیصلے کیے جن کا نفاذ آئندہ کئی دہوں تک ہوتا رہے گا۔ ان اہم ترین فیصلوں میں تین بنیادی فیصلوں کا ظہور ہو چکا ہے یعنی اشتراکیت کی سیاسی و معاشی تعبیرات و مظاہرات کی دکان بڑھانا، داخلی ہلال (Inner Crescent) پر قبضہ یعنی مشرق وسطی میں نئے توازن قوت کا قیام اور یوروپ کے تمام سیاسی و معاشی امتیازات کا خاتمہ۔ یعنی یوروپی پارلیامنٹ، یوروپی مشترکہ منڈی، یوروپی ڈالر، یوروپی انتظامات تعمیر نو اور باہمی تعاون کا قیام یا یوروپی بینک برائے تعمیر نو اور ترقی کا قیام جس کے اجلاس (۱۵ اپریل ۱۹۹۱) لندن میں منعقد ہوئے۔

نیا نظام عالم اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی مغربی تہذیب کی جدید ترین ارتقائی شکل ہے۔ اب یہ نظام قومی ریاست نظریہ (Nation State Theory) سے آگے بڑھ کر Supra-Nation Theory کی بنیاد پر قائم کیا جا رہا ہے۔

ہر چند کہ نئے نظام عالم کا باضابطہ آغاز جنگ عظیم دوم کے مابعد ہو گیا تھا لیکن اس کا علانیہ اظہار جنگ کوریا کے بعد ہونا شروع ہوا۔ جس کی ترجمانی میکس لرنر نے اس طرح کی:

> We are witnessing the beginning of the end of classical world politics, which was characterized by a world of nation-States, based on the concept of Sovereignty, applying the principles of the balance of power, with war as a frequent result of the internal failures and external pressures. ۳

ترجمہ: ہم لوگ کلاسیکی عالمی سیاست کے خاتمے کی ابتداء دیکھ رہے ہیں۔ اس سیاست کی جس کی خصوصیت تھی خود مختاری کے نظریہ پر قائم قومی ریاست کی دنیا جہاں اندرونی ناکامیوں اور بیرونی دباؤ کا نتیجہ بار بار جنگ کی صورت میں سامنے آتا تھا۔

کچھ زیادہ قابل قبول الفاظ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سابق سکریٹری جنرل ڈاگ ہمرشولڈ نے فرمایا تھا:

"We are still in the transition between institutional systems of international co-existence and constitutional systems of international co-operation." ؎

ترجمہ: ہم لوگ اب بھی بین الاقوامی بقائے باہم کے ادارہ جاتی نظام اور بین الاقوامی تعاون کے دستوری نظام کے مابین عبوری دور سے گزر رہے ہیں۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کے دو جزء ہیں۔ یعنی دو ذیلی سوالات اس ضمن میں دریافت طلب ہو سکتے ہیں۔ پہلا سوال ہے: نئے نظام عالم کا نفاذ کیوں ضروری ہے؟ اور یہ کہ مغرب کو اس کی اس قدر عجلت کیوں ہے؟؟۔ دوسرا سوال ہے: نئے نظام عالم کے حقیقی خدوخال کیا ہیں، اس کا ہدف کیا ہے اور یہ کہ اس کے لیے کیا طریقے وضع کیے ہیں؟؟

پہلے جزء سے متعلق دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اولاً یہ کہ نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں برپا ہونے والی مغربی تہذیب اپنے اعتبار سے جس ارتقائی منزل تک پہنچ گئی ہے دوسرا مرحلہ اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ چونکہ مغربی تہذیب شکست کے اس مقام تک ابھی نہیں پہنچی ہے جہاں اس کا ڈھانچہ منہدم ہو جائے لہٰذا اس کی موجود اندرونی قوت اسے آگے کے سفر کے لیے مہمیز کر رہی ہے۔

ثانیاً یہ کہ عین اس دوران جب مغربی تہذیب اپنی مخصوص رفتار سے اگلی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی ۱۹۲۳ اور ۱۹۷۹ کے مابین عالم اسلام میں ایسے امور کا ظہور ہوا جو مغربی تہذیب کی موت کی خبر دینے لگا۔ لہٰذا نیا نظام عالم مغرب کے لیے ناگزیر ضرورت بن گیا۔ عالم اسلام میں ظاہر ہونے والے امور محض فکری اور معاشرتی ہی نہیں تھے بلکہ دنیا میں پائے جانے والے معاشی جغرافیائی، دفاعی اور حکمت عملی کے اعتبار سے موثر سارے وسائل انہیں کے ساتھ دینے لگے تھے جس سے یہ حقیقی خطرہ بڑھ گیا کہ اگر نئے نظام عالم کو فوری طور پر اور پوری قوت سے نافذ نہ کیا گیا تو سارا مغربی نظام ہمیشہ کے لیے بکھر کر رہ جائے گا۔

تشریح

یہ بات کچھ اتنی سادہ بھی نہیں کہ ہم اس کا بغور مطالعہ کیے بغیر ہی سمجھ جائیں۔ ان تمام

امور کی وضاحت میں میرے علم کی حد تک سب سے زیادہ مدد آرنلڈ جے ٹائمبی سے ملتی ہے جو راقم الحروف کی رائے میں تاریخی تناظر میں اس کے پہلے شارح ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> The main Strand is the progressive erection, by Western hands, of a Scaffolding within which all the once seperable Societies have built themselves into one. ۵

ترجمہ: اصل یافت یا کارنامہ مغربی ہاتھوں سے تعمیر کردہ وہ ترقی پذیر عمارت ہے جس کے سائے میں دنیا کے باہم مختلف معاشروں نے خود کو ایک روپ میں ڈھال لیا ہے۔

گویا ٹائنبی کے خیال میں یوروپ و تہذیب یورپ کی اصل یافت بالفاظ دیگر مغرب کا ایجاد کردہ اتحاد عالم یا Unification of the World ہے۔ لیکن یہ اتحاد بایں ہمہ ان باتوں یا بنیادوں پر قائم نہیں جس کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن منتقل ہو جایا کرتا ہے۔ یہ اتحاد عالم نہ تو مغربی اقوام کی کلیسائی سیاست Parish Pump Politics ہے نہ نجی سرمایہ کاری Private enterprise کے اعتبار سے اقوام عالم پر تسلط۔

> But our Western built Scaffolding is made of less durable materials than that. The most obvious ingredient in it is technology and man connot live by technology alone. ۶

ترجمہ: ہمارے مغربی ہاتھوں کی تعمیر کردہ عمارت کا ڈھانچہ نسبتاً ناپائیدار اجزاء سے بنا ہے۔ جس کا اہم ترین جز ٹیکنالوجی ہے۔ اور انسان محض ٹیکنالوجی کے سہارے نہیں رہ سکتا۔

لہٰذا وہ اس نتیجے تک پہنچے کہ مغربی تہذیب کو پائیداری اور دوامی استحکام کے لیے کچھ مخصوص اور مزید مراحل طے کرنے ناگزیر ہیں۔ چنانچہ اہل مغرب پر لازم ہے کہ وہ نئے امکانات کا فتح باب کریں اور نئے میدان سر کریں تاکہ دوامی استحکام اور ناقابل تسخیر فوقیت قائم کر سکیں۔ چند ناگزیر امور کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ مغرب کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے وسیع تر مفادات کے پیش نظر امور انسانی کے مرکز کشش کے نقطۂ اتحاد (Locus of the centre of gravity of human affairs) کا از سر نو اور اپنی

مرضی کے عین مطابق تعین کرے۔ان کا خیال ہے کہ امور انسانی کے مرکز کشش کے نقطۂ اتحاد کا تعین طبعی جغرافیہ نہیں بلکہ انسانی جغرافیہ کرتا ہے۔لہٰذا ٹائمبی نے واضح لفظوں میں یہ بات کہی کہ اہل مغرب اور مغربی تہذیب وفکر ونظر کے علمبرداروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ انسانی جغرافیہ میں ایک مخصوص تبدیلی کرلیں تاکہ ان کے بقول مغرب کو ماقبل دی گامائی Pre-da-Gaman دلدل سے باہر نکالا جاسکے۔

ٹائمبی کی اصطلاح ماقبل دی گامائی فی الواقع گنجلک بلکہ کسی قدر پراسرار ہے۔یوں بھی عادۃً ان کے استعمال کردہ اصطلاحات کی معنویت میں بے حد تہہ داری اور پیچیدگی ہوتی ہے اور ان تہوں کے مابین کہیں ان کی مراد واقع ہوتی ہے۔

جب ہم ٹائمبی کے مشوروں کی روشنی میں امور انسانی کے مرکز کشش کے نقطۂ اتحاد پر غور کرتے ہیں تو معنویت کی کئی تہیں نظر آتی ہیں۔ٹائمبی بنیادی طور پر تاریخ داں فلسفی تھے۔لہٰذا ان کے بیانات تاریخی مگر فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے ہوا کرتے ہیں۔ان کی مراد تک رسائی اور امور انسانی کے مرکز کشش کے نقطۂ اتحاد کا ادراک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کریں۔وہ لکھتے ہیں:

> In an air age the locus of the centre of gravity of human affairs may be determined not by physical but by human geography: not by the lay-out of Oceans and Seas, steppes and deserts, rivers and mountain - ranges, passes and Straits, but by the distribution of human numbers, energy, ability, skill and character. ؎

ترجمہ: ہوائی جہازوں کے عہد میں امور انسانی کے مرکز کشش کے نقطۂ اتحاد کا تعین طبعی جغرافیہ کے ذریعہ نہیں بلکہ انسانی جغرافیہ کے ذریعہ ہوگا۔سمندروں اور بحیروں، گھاس کے میدانوں اور ریگستانوں، ندیوں اور پہاڑی سلسلوں، دروں اور آبنائیوں کی ظاہری بناوٹ کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسانی تعداد کی تقسیم اور قوت، صلاحیت، مہارت اور اخلاق کی بنیاد پر۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

> And, among these human factors, the

weight of numbers may eventually come to count for more than its influence in the past. ۸

ترجمہ: اور انسانی عوامل میں تعداد کا وزن (مستقبل میں) ماضی میں اس کی اہمیت سے زیادہ موثر ہوگا۔

جیوپالیٹکس (Geo-Politics)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نائمی ایسا سمجھتے ہیں کہ انسانی معاملات کے مرکز کشش کا نقطۂ اتحاد طبعی جغرافیہ کے بجائے انسانی جغرافیہ کے ذریعہ متعین ہوتا ہے۔ ان کی اس بات کی معنویت کی مزید تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ سے الگ ہٹ کر Geo-Politcs کے چار ماہرین فن کے نظریات کا جائزہ لیا جائے۔ گزشتہ سو سالوں کی پوری مغربی استعماریت ان چاروں ماہرین فن کی صدائے بازگشت تھی۔ یہ چار ماہرین ہیں: ماہان، میکنڈر، ہاؤشوفر اور اسپائیک مین۔

کیپٹن الفرد تھائر ماہان اپنی کتاب (The influence of Sea Power upon History, 1600-1783)، مطبوعہ :۱۸۹۰ میں لکھتا ہے:

Who rules eastern Europe commands the Heartland, Who rules the Heartland commands the World-Island (Eurasia - Africa). Who rules the World-Island commands the World. ۹

ترجمہ: جس کی حکمرانی مشرقی یوروپ پر ہو اس کی حکمرانی ہارٹ لینڈ پر ہوتی ہے۔ جس کی حکمرانی ہارٹ لینڈ پر ہو اس کی حکمرانی World-Island یعنی یوریشیا اور افریقہ پر ہوتی ہے۔ جس کی حکمرانی ورلڈ آئی لینڈ پر ہو اس کی حکمرانی ساری دنیا پر ہوتی ہے۔

ہالفرد میکنڈر (۱۸۹۶-۱۹۴۷) نے اپنے مقالہ (The Geographical Pivot of History) (رائل جیوگرافک سوسائٹی لندن میں ۲۵ جنوری ۱۹۰۴ میں پڑھا گیا) اور اس کے بعد اپنی کتاب Democratic Ideals and Reality: New York: Holt, 1919) میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے:

Heartland جو دریائے والگا، بحر قطب شمالی، دریائے یانگ سی اور سلسلہ کوہ ہمالیہ سے

گھرا ہوا ہے جغرافیائی اعتبار سے ساری دنیا پر حاوی ہے۔ لہذا اس کی فوقیت اور بالادستی سیاسی میدان میں ہو گی۔ بلکہ سیاسی اعتبار سے اس کی حیثیت ناقابل تسخیر ہو گی اس لیے کہ سیاست عالم آخر کار براعظمی اور بحری قوموں کے مابین کشمکش کا نام ہے۔ اور Heartland بحری قوتوں سے محفوظ علاقہ ہے۔"

ہر چند کہ ماہان اور میکنڈر کے پیش کردہ خیالات باہم متضاد ہونے کے ساتھ ساتھ متخالف علتوں پر مبنی ہیں تاہم دونوں کم و بیش ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اور وہ ہے ہارٹ لینڈ کی بالادستی کا نظریہ۔

دنیا کے سب سے بڑے جزیرہ ـــــ افریقہ و یوریشیا ـــــ پر حاوی ہو جانا کسی قوت کو ساری دنیا میں ناقابل تسخیر بنا دے گا۔ [۱۰]

نکولس جے اسپائیک مین اصلاً میکنڈر کے نظریات میں جزوی ترمیم کرتے ہوئے متعین طور پر میکنڈر کے ہارٹ لینڈ سے ملحق عین جنوب کی پٹی جو تقریباً ۳۰ اور ۷۰ ڈگری شمالی عرض البلد کے درمیان ہے کو اہم ترین علاقہ قرار دیتے ہوئے جس کا نام انہوں نے Rimland یا Inner or Marginal Crescent رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

Who controls Rimland rules Eurasia; who rules Eurasia controls the destinies of the World. [۱۱]

مذکورہ ماہرین کے برخلاف ناگھی طبعی جغرافیائی امور سے زیادہ انسانی اور معاشرتی جغرافیہ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ انسانی اور معاشرتی جغرافیہ کے پیش نظر ان کا نقطہ اتحاد میکنڈر کے ہارٹ لینڈ کے جنوبی حصے اور اسپائیک مین کے رم لینڈ کے شمالی حصے پر مشتمل ہے۔

گویا جب ناگھی مغرب کو ماقبل دی گامائی عہد سے نکالنے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ایک طرف عہد وسطیٰ کے یوروپی کا کوئی نفسیات (Cocoon Psychology) سے نکالنا مراد ہے تو دوسری طرف مابعد دی گامائی بحری طاقت کی ذہنیت سے نکال کر اس جگہ ایستادہ کرنا ہے جہاں پہنچ کر کوئی قوم ناقابل تسخیر ہو جاتی ہے۔

ناگھی نے ان خیالات کا اظہار ۱۹۴۷ء میں کیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام ناگھی کے خیالات کی عملی تعبیر تھا یا ناگھی کی تقریر اسرائیل کے قیام کا اعلان۔ زمانہ اب واضح طور پر اس بات کی شہادت دینے لگا ہے کہ اسرائیل محض ایک ریاست نہیں۔ نہ ہی

یہودیت وصیہونیت کی پناہ گاہ ہے۔ بلکہ فی الحقیقت ریاست اسرائیل یہودیت وصیہونیت کے تخلیق کردہ نظام عالم کا پایہ تخت اور خلافت طاغوت کا دار الخلافہ ہے۔

خاتمہ اسرائیل

مسلمانان عالم کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ اسرائیل کا خاتمہ آسان نہیں۔ جو ایسی توقع رکھتے ہیں کہ معاصر نظام کے تحت اسرائیلی ریاست کے ساتھ پر امن بقائے باہم کا سمجھوتہ ممکن ہے یا یہ کہ گفت وشنید کے ذریعہ اہل فلسطین کے حقوق بحال ہو جائیں گے اور مسجد اقصیٰ واگزار ہو جائے گی وہ خواب کی دنیا میں ہیں۔ اسرائیل خلافت طاغوت کا قلب، دار الامن (؟) اور قبلہ ہے بلکہ اس کی صحیح حیثیت بیت اللہ کے مقابلہ میں بیت الشیطان کی ہے۔ لہٰذا جب تک مغربی شیاطین کے جسم میں جان ہے اسرائیل زندہ رہے گا۔ اسرائیل دیو مالائی کہانیوں کے اس طوطے کی طرح ہے جس میں دیو کی جان ہوتی ہے۔ مغرب اور تہذیب مغرب کی جان اسرائیل میں ہے۔

نئے نظام عالم پر بحث کے دوران ان خیالات کی جانب نشاندہی چنداں بے محل نہ ہو گی ــــــ (جن کے سلسلے میں عام رائے یہ ہے کہ یہ جنگ خلیج کے سلسلے میں مغربی عزائم کے تمہیدی کلمات کی حیثیت رکھتے ہیں) جن کا اظہار مشہور مستشرق برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) پروفیسر اسلامیات وعلوم مشرقیہ نے این نن برگ انسٹی ٹیوٹ فلاڈیلفیا (Annenberg Institute, Philadelphia) میں جیفرسن لیکچرز دیتے ہوئے ۲ مئی ۱۹۹۰ کو اور پھر اسٹنفورڈ یونیورسٹی پاؤلو آلٹو (Stanford University Paolo Alto) میں کیا ہے۔ ان کا حاصل بحث یہ ہے کہ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ (یعنی مسلمان) مغرب اور بطور خاص امریکہ اور نظام مغرب کے دشمن ہیں۔ غالباً اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ مغرب کی حیات کی ضمانت اس پانچویں حصے کو پوری طرح کچل ڈالنے اور ان کی قوتوں کے مراکز پر اپنا براہ راست تسلط قائم کر لینے میں ہے۔ اسی نوعیت کے خیالات کا اظہار جولائی کی ابتدائی تاریخوں میں امریکہ کے نائب صدر ڈان کوئیل نے بھی کیا تھا۔

جملہ ہائے معترضہ کے بطور اس بات کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ خوشحال عرب ملکوں کے حکمرانوں کی حماقتوں اور عیش کوشیوں نے نزاکت کی سنگینی کو دوچند اور سہ چند کر دیا ہے۔ یہ گھڑی اپنی ہلاکت خیزیوں کے

اعتبار سے فتنۂ تاتار سے سینکڑوں گنا زیادہ سخت ہے۔ ایسے موقع پر امت کے ہر طبقے کو ذمہ دارانہ اور مخلصانہ طریقے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ سارے خود غرضانہ مفادات سے یکسر الگ ہو کر اور سارے اختلافات بھلا کر امت اگر بلا تاخیر مجتمع اور صف بستہ نہیں ہوئی اور اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر اور مغرب کے ہر سحر سے خود کو آزاد کرتے کے مغربی سیلاب کو روکنے کی کوشش نہ کی گئی تو خوف ہے کہ امت غیر معمولی آزمائش کا شکار ہو جائے گی جس کا ازالہ صدیوں تک نہ ہو سکے گا۔ یہ نیا نظام عالم جس کی اب توسیع کی جا رہی ہے ایک سیل بے پناہ کی طرح آ رہا ہے جس کا واحد مقصد ملت اسلامیہ، اور اسلامی تاریخ و تمدن کے گہواروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔

نیا نظام ابلیس

اسی سلسلۂ بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آرنلڈ ٹائمبی کا وہ طویل اقتباس بطور خاص نقل کر دیا جائے جس سے شاید اندازہ ہو سکے کہ نیا نظام عالم کن ہمہ گیر تبدیلیوں کے لانے کا عزم رکھتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے بعد امت مسلمہ کے انجام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ٹائمبی لکھتے ہیں:

There gravitational pull may then draw the centre point of human affairs away from an Ultima Thule among the Isle of the Sea to some locus approximately equi-distant from the western pole of the world's population in Europe and North America and its eastern pole in China and India, and this would indicate a site in the neighbourhood of Babylon on the ancient portage across the isthmus between the continent and its peninsulas of Arabia and Africa. The centre might even travel farther into the interior of the continent to some locus between China and Russia (The two historic tamers of the Eurasian Nomads) and that would

indicate and site in the neighbourhood of Babur's Farghana, in the familiar Transoxianian meeting-place and debating ground of the religions and philosophies of India, China, Iran, Syria and Greece. ۱۲

ترجمہ: ان کی کشش ثقل تب انسانی معاملات کے مرکزی نقطۂ اتحاد کو جزیرۃ البحر کے درمیان واقع Ultima Thule سے کھینچ کر اس مقام پر لے جائے گی جو شمالی امریکہ اور یورپ میں پائی جانے والی آبادیوں کے مغربی قطب اور ہندوستان و چین میں واقع مشرقی قطب کے بیچوں بیچ ہے۔ اور یہ اشارہ کرتا ہے بابل کے نواح کی ایک ایسی جگہ کی طرف جو براعظم اور اس کے جزیرہ نمابائے عرب و افریقہ کے خاکنائے کے اس پار عہد قدیم کا مقام نقل و حمل ہے۔ ممکن ہے وہ مرکز براعظم کے مزید اندر چلا جائے۔ جہاں چین اور روس (یوریشیائی خانہ بدوشوں کے دو سدھانے والے) باہم ملتے ہیں۔ اور وہ اشارہ کرتا ہے ایک ایسے مقام کی طرف جو بابر کے فرغانہ کے نواح میں ہے، ماوراء النہر کا وہ مقام جو ہندوستان چین، ایران، شام اور یونان کے مذاہب اور فلسفوں کا مقام تھا اور مسند بحث و تمحیص رہا ہے۔"

بنیادی تبدیلیاں

مذکورہ امور اس کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں کہ نیا نظام عالم اپنے علمبرداروں کے لیے ہمہ گیر اور بنیادی تبدیلی کا عزم لے کر اٹھا ہے۔ ہر چند کہ اب تک کی بحث تاریخی، معاشرتی، جغرافیائی اور اسٹریجی کے تعلق سے محض تفہیم کے خاطر ہیں۔ ورنہ اس کی ہمہ گیری انسانی زندگی کے جملہ امور سے متعلق ہے۔

دنیا میں آٹھ ایسی خصوصیات ہیں جو قوموں کے عروج و زوال میں اہم رول ادا کرتی رہی ہیں۔ ان میں سے بعض مستقل اور قدرتی یا وہبی ہیں اور بعض غیر مستقل اور کسبی ہیں۔ ہر چند کہ بیسویں صدی کے آخری نصف میں انسانی ترقی ان مدارج تک پہنچ گئی ہے جہاں زمین، سمندر، ہوا اور زمین کی قریبی فضائے بسیط پر انسان کا تسلط قائم ہو چکا ہے تاہم بنیادی طور پر ان امور میں اب بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے جو پہلے بھی اہم اور بنیادی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ وہ بنیادی آٹھ امور مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) توازن قوت۔

(۲) جغرافیہ، جغرافیائی سیاست، جغرافیائی حکمت عملی۔

(۳) آبادی

(۴) خام مال اور قدرتی وسائل

(۵) معاش و معاشی صورت حال

(۶) فنی مہارت

(۷) فوجی قوت

(۸) قیادت

نیا نظام عالم مذکورہ جملہ امور پر بلاشرکت غیر ہمہ گیر مغربی تسلط کا دوسرا نام ہے۔ یہ نظام جس کی بنا ڈالی جا چکی ہے اور مغرب جس کی توسیع و استحکام کی جدوجہد میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے ایک ایسا ہمہ گیر نظام ہوگا جس میں دیگر تمام نظاموں کی ایک ایک علامت اور ایک ایک شناخت تاریخ کا حصہ بنا دی جائے گی۔ گزشتہ ۴۵ سالوں سے اس نظام کی پرورش ہو رہی ہے۔ جس کے لیے مغرب نے اور بطور خاص اینگلو سیکسن قوم نے کم از کم چار طریقوں کا استعمال کیا ہے۔ متعدد اسباب سے وہ اس بات میں کامیاب رہے ہیں کہ دنیا اور بطور خاص امت مسلمہ کو ان کے حقیقی مقاصد کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ نئے نظام عالم کے لانے کے چار استعمال شدہ طریقے ہیں:

(۱) ادارہ جاتی (Institutional) طریقہ

(۲) عملی (Functional) طریقہ

(۳) معالجاتی یا تدارکی (Curative) طریقہ

(۴) تدریجی (Step by Step) طریقہ

مارچ ۱۹۹۱ء سے قبل اس کا اندازہ کیا جا رہا تھا کہ مغرب نئے نظام عالم کے نفاذ کے لیے پانچویں طریقے کا استعمال کرنے کی تیاری میں منہمک ہے۔ یہ پانچواں طریقہ ہمہ جہتی طریقہ یعنی Many Front Approach کہلاتا ہے۔ اس کی ضرورت مغرب کو اس لیے پیش آ رہی ہے کہ ان کے اندازے کے مطابق ان کے نئے نظام عالم کے لیے Disturbing Forces کے ظہور میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ تاہم اس طریقہ کے استعمال کا قریب ترین وقت ۱۹۹۴ یا ۱۹۹۵ کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ خلیج کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر مغرب نے

عبوری دور کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ انہیں دیگر نظاموں کی مزاحمت کا سامنا ہوگا۔ بطور خاص اسلامی نظام کی مزاحمت کا۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ساری مزاحمتیں رفتہ رفتہ کمزور پڑتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جائے گی۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ کچھ عرصے کے بعد نظام نو کی ہمہ گیری اسے پوری طرح بے اثر (Neutralise) کردے گی۔

انہیں مخالف نظاموں پر تفوق حاصل ہو۔ جیسا کہ قبل عرض کیا گیا کہ روئے ارض پر آٹھ ایسی خصوصیات ہیں جو غلبہ کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔ ان میں بعض قدرتی اور بعض کسبی ہیں۔ لہٰذا تفوق کے حصول اور اسے برقرار رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل ۴ طریقوں کو بروئے کار لانا ضروری تصور کیا گیا ہے۔ وہ طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) کسبی امور میں عمودی تفوق قائم کرنا۔

(۲) بعض ایسے قدرتی وسائل جن پر قبضہ کرنا عالم امکان میں ہو ان پر قبضہ کر لینا۔

(۳) بعض ایسے قدرتی وہبی وسائل جن پر قبضہ کرنا عالم امکان میں نہ ہو انہیں ضائع کر دینا۔

(۴) بعض کسبی امور و وسائل جن میں دیگر نظام مسابقت کر سکتے ہیں انہیں ہر قیمت پر ضائع یا ناکام کر دینا۔

اس اعتبار سے دنیا اور زندگی کے ہر شعبے میں قطبی نظام کے قیام، توسیع اور استحکام اور عمودی تفوق کے حصول اور اس کی برقراری کے لیے ناگزیر ہے کہ درج ذیل چیزوں کو مغرب اپنے حق میں یقینی بنائے:

(۱) زندگی کے جملہ شعبوں میں روبہ ارتقاء فنی مہارت (Technological Expertise) پر پورا قبضہ۔

(۲) دنیا کے تمام مادی اور غیر مادی وسائل پر براہ راست قبضہ

(۳) پیداوار کے تمام ذرائع پر ہمہ گیر دسترس اور اختیار

(۴) دنیا میں ہر سطح پر ہونے والی تجارت پر براہ راست کنٹرول

(۵) بری، بحری، فضائی اور خلائی ہر قسم کی گزرگاہوں پر براہ راست کنٹرول

(۶) دنیا میں ہر سطح پر موجود ذرائع ابلاغ و ترسیل پر براہ راست کنٹرول

(۷) ساری دنیا میں ہر سطح پر پائے جانے والے سیاسی انتظامات پر براہ راست کنٹرول

خلافت طاغوت ان مقاصد کے حصول کے لیے پوری طرح جدوجہد کر رہی ہے۔ اس کی فوجیں ملت اسلامیہ کے سوا تقریباً ساری دنیا کو زیر کر چکی ہیں۔ فی الواقع ملت اسلامیہ کے سوا کوئی دوسرا ان کا حقیقی حریف ہے بھی نہیں اس لیے کہ مذکورہ آٹھ خصوصیات میں صرف ملت اسلامیہ ہی حریفانہ رول ادا کر سکتی ہے بلکہ حقیقی خطرہ بن سکتی ہے۔ اسلام اور ملت اسلامیہ سے ان کا آخری اور فیصلہ کن معرکہ شروع ہو چکا ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف امریکی صدر جارج بش نے اشارہ کیا ہے۔ اس نے کہا:

"ہم آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہم ساری دنیا کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔"

(فروری ۱۹۹۱ء ماہنامہ شیطمین، کلکتہ)

حواشی

Arnold J. Toynbee; Civilisation On Trial, London 1948(۱)

(۲) علامہ اقبال، زمانہ، بال جبریل: جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

Max Lerner; The Age of Overkill: A preface to World (۳) Politics (New York: Simon and Schuster, 1962 P.10)

Dag Hammarskjold; Perspective on Peace, 1910-1960 (۴) (New York: Frederick A. Praeger, for the Carnegie Endowment for International Peace, 1960) P-65

A J Toynbee; Civilisation on Trial. London 1948 (۵)

(۶) کتاب ھذا

(۷) کتاب ھذا

(۸) کتاب ھذا

Capt. Alfred Thyer Mahan: The Influence of Seapower (۹) upon History, 1600-1783; Boston: Little, Brown and Company 1890.

Derwent Whittlesey; Haushofer, Geopolitician, in EM (۱۰) Earle, ed., Makers of Modern Strategy (Princeton. N.J: Princeton University Press, 1943) PP 398-406.

Nicholas J. Spykman: The Geography of the Peace; Ed.by (۱۱) Helen R. Nicholl, N.Y, Harcourt, Brace, 1944, PP - 41-43.

A J Toynbee; Civilisation On Trial. London 1948 (۱۲)

(۱۳) بغداد کے نواح میں ایرانی نژاد برطانوی صحیہونی جاسوس فرہاد بازوفت کی تفصیلی رپورٹ کی فراہمی اور بعد ازاں کا گرفتار کرلیا جانا اور سزائے موت۔